چودھویں صدی عیسوی میں غرناطہ کا تہذیبی و ثقافتی پس منظر

ڈاکٹر احتشام بن حسن

تاریخی و سیاسی پس منظر

چودھویں صدی کا نصف آخر جس میں ابن خطیب زندہ تھے تمام متمدن دنیا میں ایک انقلابی دور مانا جاتا ہے۔ عالم عربی تنزل و پستی کی طرف گر رہا تھا اور عالم غربی عروج و بلندی کی جانب چڑھ رہا تھا (۱)۔ جہاں تک عالم عربی کی بات ہے وہ دواساسی قسموں پر تقسیم تھا ، ایک مغرب اور دوسرا مشرق ، یعنی وہ شہر جو مصر اور بحر محیط کے مابین واقع تھے مغرب میں شمار ہوتے تھے اور مصر اور اس کے متصل عربی شہر مشرق میں ، اندلسی تہذیب و تمدن کے مراکز طلیطلہ اور قرطبہ وغیرہ تھے اور بیشتر شہر ہائے اُندلس (اشبیلیہ تک) عربوں کے اقتدار سے نکل چکے تھے اور عربوں کی کثیر تعداد مغرب اور افریقہ یعنی مراکش و تونس کی طرف جلاوطن کر دی گئی تھی۔ اور اب عرب کے زیر نگیں جنوب غربی کا تھوڑا سا رقبہ رہ گیا تھا جو غرناطہ مریتہ اور جبل الطارق کے مابین محصور تھا (۲)۔ اس مختصر سے قطعۂ ارض پر بنوالاحمر حکمران تھے۔ یہ لوگ حکومت طلبی میں آئے دن آپس میں دست و گریباں رہتے اور کبھی سلاطین مغرب سے بھی ٹکراتے تھے۔

مغربی اسلامی علاقے خاص کر مسلم اسپین کے تاریخی اور تہذیبی پس منظر پر نگاہ دوڑاتے وقت یہ مسلمہ حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ مسلم تہذیب کا ستارۂ عروج اسپین کی وادی اور صحرا ھی پر نہیں بلکہ تمام خطۂ ارض پر چمکا ۔ اسپین میں نو وارد اقوام میں مسلم بربر اور عرب قوم بھی تھی ۔ عرب قوم سر سبز و شاداب اور زرخیز ممالک یعنی عراق و شام اور مصر سے یہاں آئے تھے ۔ یہ سب اعلی نسلوں سے تعلق رکھتے تھے ۔ اسپین کی سر زمین ان کو بے حد راس آئی ۔ انہوں نے یہاں کی پر سکون فضا میں تہذیب و تمدن کے چراغ روشن کئے اور معاشرہ کو اعلی معیار پر پہنچایا یہاں کی مادی ترقی کے لئے منصوبے بنائے اور ایک ایسی بےمثال حسین دنیا بنانے میں کامیاب ھو گئے جس کو ان کی پیش روگوتھک قوم صدیوں میں بھی نہ بنا سکی ۔ انہوں نے اپنی اعلی دماغی صلاحیتوں سے کام لے کر اس خطۂ ارض کو انتہائی ترقی یافتہ ملک میں تبدیل کرنے کی کوشش کی ۔ زراعت کو فروغ دیا اور معدنیات کے سراغ لگا کر ملک کو قدرتی وسائل اور معدنی ذرائع سے مالا مال کر دیا ۔ ملک کا شمالی حصہ جس پر رومیوں کی حکومت عرصہ تک رھی دوبارہ تعمیر کیا گیا ۔ عرب قوم نے نہ صرف تہذیب و تمدن بلکہ صنعت و حرفت و تجارت کو خاص طور پر شہروں اور قصبوں میں فروغ دیا ۔ بارش کے پانی سے انہوں نے زمین کی آبیاری کا کام لیا اور Mesta کے نیچے کی وادیوں کو آبادکاریوں کے لئے منتخب کیا طلیطلہ Toledo ، سنترا Centra ، قرطبہ ، صیوائل ، مرسیہ ، بلنسیہ اور غرناطہ کی آبادیاں اسی طرز پر بسائی گئی تھیں جن کا حسن اور خوش نمائی آج بھی دنیا میں مشہور ہے ۔ رومیوں کے عہد حکومت میں بھی زراعت پر توجہ دی گئی تھی لیکن عربوں کے جدید ذھن نے زراعت کو مختلف منصوبوں

کے ذریعہ اور مختلف طرز تعمیر کے ذریعہ پورے ملک میں فروغ دیا ۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور کھیتوں کا ملک ایک شاداب ، زرخیز اور لہلہلاتے کھیتوں کی مانند بن گیا (۳) ۔ حقیقت یہ ہے کہ پورا ملک مسلمانوں کے دور حکومت میں انتہائی ترقی کے منازل تک پہنچ گیا ۔

شروع کے پچاس سال میں مسلمانوں نے ملک کی انتظامیہ بالکل جدید طرز پر قائم کی اور ملک کی اقتصادی اور سماجی ترقی کے لئے قوانین بنائے (۴) ، عبدالرحمان اول نے دمشق کی اموی خلافت کے خاتمہ کے بعد اسپین میں اموی عہد حکومت کا آغاز کیا ۔ اس نے سڑکوں کی تعمیر کرائی اور مواصلات و مراسلات کے محکمے کھولے اور دارالسلطنت قرطبہ کو خوبصورت عمارتوں اور شاندار محلوں اور پر عظمت مسجدوں سے آراستہ کر دیا (۵) ۔

نویں صدی میں تمام حکمرانوں نے انتہائی جانفشانی اور عدل و انصاف کے ساتھ ملک کے تحفظ و انتظام کے لئے کوششیں کیں ۔ نئی نئی اسکیمیں چلائیں اور نظام مملکت کو استحکام بخشا ۔ سرحدی حملوں اور فسادات کے باوجود عبدالرحمن اوّل نے تیس سال تک نہایت کامیاب حکومت چلائی ۔ اس حکمران نے اپنے دور میں ملک کو دنیا کے تمام مہذب اور متمدن ملکوں میں نمایاں کر دیا ۔ یونان کے سیاح اور سفیر اس دور میں جب اسپین آتے تو قرطبہ کی خوبصورتی اور وہاں کی دولت کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے ۔ پانی کا انتظام قرطبہ تک اس طرح کر دیا گیا تھا کہ Sierra Morena سے پائپ لائن بنائی گئی تھی جس کے ذریعہ مختلف سمتوں میں پانی پہنچایا جاتا تھا اور اس کے ذریعہ پبلک حمام میں بھی پانی پہنچانے کا انتظام تھا ۔ صفائی کا محکمہ بھی اپنے انتظام کے لحاظ سے عروج پر تھا ۔ اس محکمہ کو اموی دربار کے مشیر ، مغنّی اور دانشور زریاب نے تشکیل دیا تھا ۔ نظام مملکت اس طرح منظم اور مستحکم بنا لیا گیا

تھا کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس کو عبدالرحمان ثانی نے نہ سنوارا ہو۔ اس نے لباس اور بود و باش کے مروجہ طریقوں میں اصلاحات جاری کیں اور عباسیوں کے طرز پر دواخانے اور ہسپتال تعمیر کرائے۔ فارسی اور یونانی سے عربی میں کتابیں ترجمہ کرانے کا اہتمام کیا (٦)

دسویں صدی کا آغاز نئی سیاسی اور تمدنی زندگی سے ہوا اور مسلم اسپین کی تہذیب کا ستارۂ عروج عبدالرحمان ثالث کے عہد میں چمکا اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی سلطنت کو باقی رکھا بلکہ تہذیب و تمدن کو برباد ہونے سے بچا لیا۔ اس کا عہد حکومت حکم ثانی اور منصور کی طرح کامیاب رہا اس عہد میں اسپین کا کلچر جس اعلی منزل پر پہنچ گیا وہ اس کے دانشمند وزیروں کی خدا داد صلاحیتوں کا مظہر تھا دنیا کے تمام متمدن ممالک کے سفر اء قرطبہ کی عظمت و شان کو دیکھنے پروانہ وار آئے۔ اور عبدالرحمان کا دربار دنیا کے علماء اور فضلاء کا مرکز قرار پایا۔ مختلف ممالک سے بڑے بڑے اسکالر، ادیب اور شعراء دربار میں آ کر زینت بزم بنے۔ قرطبہ کے سفیر Recelunde نے Liudprand (حکومت جرمنی کے دربار کا مشہور مورخ) کو مشورہ دیا کہ وہ Antapadouis تصنیف کرے فاطمی عہد حکومت کا مشہور جغرافیہ دان ابن حوقل قرطبہ دیکھنے کے لئے آیا اور واپسی پر اس نے وہاں کی اقتصادی خوشحالی پر ایک رسالہ لکھا، یہودی معالج جو یورپ کے دوسرے ملکوں میں تھے وہاں سے قرطبہ چلے آئے اور یہاں کے میڈیکل کالجوں میں تعلیم دینے لگے (٧)۔

حکم ثانی کا دور اسپین کا عہد زریں کہلاتا ہے۔ اس حکمران کے دور حکومت میں قرطبہ علم کا گہوارہ کہلایا اور اس کو یورپ

کی سر زمین پر ایسا سمجھا جاتا رہا جیسے تاریک سمندر میں Light House۔ اس نے قرطبہ کی یونیورسٹی کو اس شان و شوکت سے تعمیر کرایا اور تعلیم و تربیت کا وہ اعلی انتظام کیا کہ بغداد کی مشہور نظامیہ یونیورسٹی اور قاہرہ کی الازہر سب ھی اس کے سامنے ھیچ ھو گئیں ، یورپ کے مختلف ملکوں ، ایشیا اور افریقہ سے طلباء محض تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہاں جمع ھو گئے ۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جانشین ھوا اگرچہ وہ اپنے باپ کا بدل نہ تھا لیکن اس کا وزیر منصور اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے بہت بلند انسان تھا ۔ اس وزیر نے پورے جوش و خروش سے ملک کی ترقی کے لئے اسی طرح اھتمام کیا جس طرح حکم ثانی نے کیا تھا ۔ اس نے آرٹ ، فن تعمیر اور ادب کی ترقی کے لئے کوشش کی اور عبدالرحمان ثانی کے بنوائے ھوئے الزھراء کے مقابلہ میں ایک دوسرا حسین شہر زھرہ تعمیر کرایا (۸)۔

یہ حالات کے نشیب و فراز قرار دیئے جائیں یا پھر قوموں کے عروج و زوال کی داستان اسی خطۂ ارض (اسپین) پر بدامنی اور شورشوں کے بادل امنڈ آئے اور مقامی گورنروں اور امیروں کو خود مختار ریاستیں قائم کر لینے کا موقع مل گیا بنو حمود ملاغہ الجزیرہ کے علاقوں پر قابو پانے میں کامیاب ھو گئے اور امیر المومنین ھونے کا اعلان کر دیا جن کی حکومت کا گیارھویں صدی ھی میں شاہ غرناطہ نے خاتمہ کر دیا ۔ لیکن خود غرناطہ پر سردار زادی مسلط ھو گیا ۔ مغربی اضلاع کے علاقے بنو عباد کے تصرف میں آ گئے ، جن کا آخری بادشاہ معتمد تھا ، اسے یوسف ابن تاشفین نے افریقہ کی طرف بھگا دیا تھا ۔ اور سارا گوسا پر بنو ھود بارھویں صدی تک حکمراں رھے ۔ ان بادشاھوں کو ملوک الطوائف کہا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سیاسی

نقطۂ نگاہ سے یہ سارے بادشاہ کشمکش کا شکار تھے اور ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے ، لیکن علم و ہنر کا مربی اور علماء و فضلا ء کا حامی ان میں کاھر بادشاہ تھا ۔ اشاعت تعلیم اور شعر و ادب کی سر پرستی کرنے میں آ گے بڑھنے کی کوشش بھی ھر ایک کرتا تھا ۔ اکثر حکمران تو خود عالم اور شاعر تھے اور معتمد آخری حکمران نے تو شاعری میں اعلی مقام حاصل کر لیا تھا اور صاحب دیوان ہے (۹) ۔

ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کی باھمی رسہ کشی اور تنازعے نے ان کی ھوا بکھیر دی اور عیسائیوں کو ان کے علاقوں پر یلغار کرنے کا اچھا موقع مل گیا اور کچھ ناعاقبت اندیش حکمرانوں کے عیسائیوں سے گٹھ جوڑنے ان کے حملے کی مزید رہ ھموار کر دی نتیجہ یہ ھوا کہ فرڈیننڈ کے حملہ سے کئی اچھے مقامات ان سے چھن گئے ، مغرب میں مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کی ان ریشہ دوانیوں سے مشرقی ایشیا کے عرب بالکل بےخبر یا بے پرواہ تھے ، البتہ مغرب کے صحرائی قبائل مسلمانان اسپین کی نصرت و اعانت کرتے رھتے تھے اس خدمت میں گو ان کی ھوس ملک گیری بھی کار فرما تھی چنانچہ جس وقت مسلمانان اندلس نصاریٰ کے پیہم حملوں سے موت و بیم سے دوچار تھے ، اس وقت وھاں وحشی قبائل کی ایک جماعت تیار ھو چکی تھی جن کو اغیار کی حکومت فطری طور پر ناگوار اور گراں گزرتی تھی ۔ یہ قبائل نسلاً بربر تھے ۔ یہ اپنے مذھبی لیڈروں کی قیادت میں جنھیں یہ مرابط کہا کرتے تھے ، ان عیسائی حکمرانوں کو جو مسلمانوں کے پیچھے پڑے ھوئے تھے اور ان کے علاقے چھیننے میں لگے ھوئے تھے ، پسپائی کے گھاٹ اتار تے ھوئے یہاں اپنی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ھو گئے ۔ ان کا مایہ ناز لیڈر یوسف بن

تاشفین تھا جو گیارھویں صدی میں ہسپانیہ کی طرف آیا ، اور اسی صدی میں وہ اندلس بھی آیا جہاں اس کی قوت و شوکت اور اس کا عروج دیکھ کر اشبیلیہ اور غرناطہ وغیرہ کے مسلمان سلاطین اس کی طرف جھک پڑے اور اس سے عیسائیوں کے مقابلہ میں مدد و اعانت کی درخواست کی ، بلکہ معتضد شاہ اشبیلیہ نے اپنے ملک کا زرخیز صوبہ شہر الجزیرہ اس کے سپرد کر دیا تاکہ وہ کسی طرح مسلمانان اسپین کی مدد کے لئے آ جائے ۔

یوسف بن تاشفین ، بانئی فرقہ مرابطین اعلی درجہ کا متقی ، عالی حوصلہ اور حکومت و سیاست کے امور کا ماہر شخص تھا (۱۱) ۔ وہ نہایت باوقار اور صاحب دبدبہ شخص تھا جس کی وجہ سے اس کی رعایا اور جماعت اس پر دل و جان سے فدا تھی ۔ مرابطین اس کے ہر حکم کی نہایت خلوص کے ساتھ اطاعت کرتے تھے ۔ جو علاقے اس کی حکومت کے قبضہ میں تھے ان میں قرطبہ ، ملاغہ ، غرناطہ اور اشبیلیہ بھی تھے (۱۲) ۔

اندلس کے ممالک کو مسخر کر چکنے کے بعد ابن تاشفین کو عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کا خیال پیدا ہوا ، اور اب اسے مسلمانوں اور دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی ۔ اور دوسری طرف مسلمانان اندلس بھی اس مطلق العنان بادشاہ اور اس کی حکومت سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں تھے ۔ آخر خود ہی یہ بادشاہ بارھویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس دار فانی سے رحلت فرما گیا (۱۳) ۔

گیارھویں صدی میں بعد وفات ابن تاشفین محمد بن عبداللہ بن تومرت نامی شخص نمودار ہوا اور مرابطون کے خلاف اپنی عرصہ دراز سے پرورده رنجش اور ان کا تختہ اُلٹنے کی خواہش پوری کرنے میں

کامیاب ہوا یعنی مرابطون سے مقابلہ میں کامیاب ہو گیا ۔ یہ شخص پہلے جامع قرطبہ کی کسی ادنی خدمت پر مامور تھا ۔ بعد میں تعلیم کے لئے وہ بغداد چلا گیا ۔ وہاں امام وقت محمد بن محمد غزالی سے علم حاصل کیا جب وہ مغرب سے واپس آیا تو اپنے استاد غزالی کے عقائد کو اس ملک میں پھیلانے لگا ۔ مراکش میں قیام پذیر ہو کر مرابطین کی حکومت کے زوال کی تدبیریں کرنے لگا ۔ اس نے اپنے آپ کو مہدی موعود بتایا ۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مریدین کا ایک حلقہ اس کے ارد گرد رہنے لگا اور عبدالمومن ایک مالدار سوداگر کے بیٹے کو اپنا خلیفہ بنا لیا ۔ اس کے مریدین اپنے آپ کو موحدین کہتے تھے (۱۴) ۔

ان موحدین کی طاقت بتدریج بڑھتی گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے مرابطی حکومت پر قبضہ جمالیا ۔ لیکن اس دوران انھیں کافی مصائب اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ اس حکومت کے لئے سب سے زیادہ مددگار جو شخص ثابت ہوا وہ عبدالمومن تھا جو سپہ سالاری کے امور میں ماہر و باہر تھا ۔ اسی نے مرابطون کے گھنٹے ٹکا دیئے اور عیسائیوں سے بہت سے علاقے چھین لئے اور اسپین پر حملہ کر کے بیشتر حصوں پر قبضہ جما لیا ۔ ۱۱۶۰ء کے حملہ میں شہر غرناطہ کو مسخر کر لیا ۔ عبدالمؤمن کے بعد اس کے کئی جانشین یکے بعد دیگرے آئے گئے ، اور کافی عروج حاصل کر لینے کے بعد بالآخر اُندلس سے یہ حکومت بھی تیرھویں صدی کے وسط کے قریب یعنی ۱۲۳۲ء میں ہر کمالے را زوالے کا شکار ہو گئی (۱۶) ۔

قرب و جوار کے عیسائی حکمرانوں نے اس موقع کو پھر غنیمت جان کر عربی حکومت پر دست درایاں شروع کر دیں اور بعض خطوں پر جہاں ان کو کامیابی نظر نہ آئی تھی مسلمان حکمرانوں سے ساز

باز کر کے کامیابی حاصل کرلی ۔ یہ بات غالباً ایک سانحہ سے کم نہیں ہے کہ اُندلس کے قدیم مسلمانوں نے اپنے ان نئے حاکموں (موحدون) کے خلاف ھتھیار اٹھائے اور موحدین کے اس لشکر پر حملہ کر دیا جو مملکت اندلس میں بطور محافظ سپاہ کے موجود تھا ۔ یہ بغاوت مسلمانوں کے حق میں اچھی ثابت نہیں ھوئی کیونکہ موحدین کی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے بعد انھیں دشمنوں کو راستے سے ھٹا دینا چاھئیے تھا اور پھر تمام مملکت اندلس کی ایک مرکزی حکومت قائم کرتے جو ان کے فوائد کا بخوبی تحفظ کر سکتی ۔ مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ھو سکے ، بلکہ بجائے ایک متحدہ قوت ھونے کے ھر ذی اقتدار حاکم اپنے زیر اثر علاقہ اور صوبہ کا خود سر بادشاہ بن بیٹھا اور اس طرح اسپین کی واحد اسلامی ریاست متعدد چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ھو گئی ۔

ان خود سر امیروں میں محمد الاحمر سب سے زیادہ خوش نصیب حکمران ثابت ھوا ہے جس نے ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ۱۲۳۸ء سے لے کر ۱۳۰۲ء تک عربوں کی تہذیب و تمدن کا مرکز بنی رھی ۔ یہ غرناطہ کے حکمرانوں کا آخری خاندان تھا جو ,, دولت نصریہ ،، کے نام سے بھی جانا جاتا ہے (۱۷) ۔

محمد نے جس زمانہ میں حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اس وقت انتشار وبحران پھیل چکا تھا ۔ بنو مرداس بلنسیہ Valancia اور بنو ھود مرسیہ Murcia پر اپنا تسلط جما رھے تھے اور بالآخر مشرقی حصہ پر قبضہ جمانے میں کامیاب ھو گئے تھے ۔ بنو نصر نے بھی ان قبائل کی دور اندیشی اور چابکدستی سے فائدہ اٹھایا ۔ اس قبیلہ کے سردار محمد بن احمر جو اس وقت قرطبہ کے علاقہ میں ارجونا کی فوج کے کمانڈر تھے ، موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے صیوائل کو حاصل کرنے کی

غرض سے بنو حمود کے خلاف قسطالیہ کے Ferdinand کے ساتھ خفیہ سمجھوتہ کر لیا اور اس طرح قاروسہ اور دوسرے مقامات بھی اس کے تصرف میں آ گئے اور اس کی مدد سے آخر کار ۱۲۳۷ء میں غرناطہ فتح کر کے اپنا دیرینہ خواب پورا کیا ۔ غرناطہ فتح ہونے کے بعد محمد بن احمر نے اپنی خود مختار بادشاہت کا اعلان کیا اور غالب باللہ کا لقب اختیار کیا (۱۸) ، اور اسی شہر میں اپنے لئے ایک قلعہ اور ایک عالیشان محل (الحمرا) بنوایا (۱۹)۔

آہستہ آہستہ غرناطہ کے حدود انتہائی مختصر عرصہ میں وسیع ہو گئے اور دو مساوی پہاڑیاں اس کی حدیں قرار پائیں Darro Genil میدان اور الباسین اور الحمراء جنوب اور شمال کے علاقے تھے Vega کا میدان قدرتی حسن کاری سے معمور تھا ۔ ہر طرف شادابی و رعنائی نظر کو سکون دیتی تھی ۔ فضا دلکش اور طرب انگیز تھی ، خاص طور پر دمشق کی طرح تاحد نظر جھیلیں پھیلی ہوئی تھیں جن سے اس علاقہ میں کیف محسوس ہوتا تھا ۔ تقریباً ایک لاکھ اشخاص جن میں ماہرین سائنس ، آرٹ علم و فضل ، اور ادیب و شاعر عیسائیوں کے جبر و تشدد سے مجبور و تنگ آ کر غرناطہ کے حسین شہر میں آ کر آباد ہو گئے تھے ۔ محمد نے اپنی رہائش کے لئے الحمراء نامی ایک اعلی شاہی محل جنوب مشرقی پہاڑیوں پر تعمیر کرایا تھا جہاں سے شہر کی بکھری ہوئی دلکش بستی نظر آتی تھی۔ آنے والی صدیوں میں بھی اس محل کی آرائش و تزیین ہوتی رہی خاص طور پر اس خاندان کے ایک حکمران یوسف اول نے اس محل کی تزیین اور خوشنمائی میں اور چار چاند لگا دیئے ۔

محمد بن احمر کے دور میں غرناطہ کے حدود کو اس لئے وسعت نہ حاصل ہو سکی کیونکہ پڑوس کی عیسائی حکومتوں کے متواتر

حملہ کا سامنا رہتا تھا ، اس لئے بجائے حدود مملکت کو بڑھانے کے مستحکم بنانے کی پیہم کوشش کرنی پڑی جس کے نتیجہ میں غرناطہ کی حکومت تقریباً سوا دو سو سال تک تباہ کن انقلابات سے بچی رہی ۔

غرناطہ کا یہ حـــاکم (محمد بن احمر) صرف ایک جرنل ھی نہیں بلکہ ماہر سیاسیات اور منتظم مملکت بھی تھا ، اس نے اکثر موقعوں پر اپنی حکومت کی بقاء و حفاظت کی خاطر مسلمانـوں کے خلاف عیسائی حکمرانوں کو مدد بھی دی اور اس مہلت میں اپنی فوجی طاقت کو اس لائق بناتا رہا کہ وہ تنہا عیسائی حکمرانوں کے حملہ کو ناکام بنا سکے اس کی یہ مصلحت اندیشـی اور سیاسـی حکمت عملی برابر کامیاب ہوتی رہی اس نے قشطالیہ کے عیسائی حکمراں پر کبھی اعتماد نہیں کیا اور ہمیشہ اس سے ہوشیار رہا ۔ اس نے اپنے مختصر عہد حکومت میں اپنے ملک کے سرحدی علاقوں میں فوجی قیام گاہیں اور مضبوط قلعے جبل طارق تک بنوائے اور بہت سے بوسیدہ اور مسمار شدہ قلعوں کی دوبارہ مرمت کرا کے ان کو فوجی اڈہ بنایا (۲۰)۔

۲۴ ۔ ستمبر ۱۲۷۲ء میں محمد بن احمر جو عیسائیوں سے مردانہ وار مقابلہ میں ہمہ تن مصروف تھا یہ کام اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے چھوڑ کر رخصت ہو گیا ۔ یہ بنو نصر خاندان کا پہلا حکمراں تھا جس نے بہت کامیابی کے ساتھ اس پر آشوب دور میں حکومت کی ۔ اس نے اکثر نازک موقعوں پر مسلمانوں کی عزت ووقار کو برقرار رکھا سیاسی تدبر اور نظم مملکت کے علاوہ وہ ایک عالم اور ادیب بھی تھا اس کو مطالعہ کا بہت شوق تھا ، علماء وادباء کا بےحد احترام کرتا تھا ، علوم کی ترقی و ترویج کے لئے اس نے بہت اہم کام کئے ۔

غرناطه میں ماهرین فن اور علماء کو سلطنت کی طرف سے گران قدر وظائف ملتے تھے ۔ ان کے یه خدمت سپرد تھی که وه عملی پیشوں اور دستکاریوں پر مفید کتابیں تصنیف کرتے رهیں ۔ فقها یعنی علمائے دینیه کا رسوخ بهت بڑھا هوا تھا ۔ نابغۂ روزگار علماء کو عهدے بھی عطا کئے جاتے تھے جیسا که ابو الحجاج یوسف بن اسماعیل (م: ۱۳۵۴ء) نے لسان الدین ابن الخطیب مورخ کو وزارت کا عهده عطا کیا تھا (۲۱) ۔

ان حکمرانوں نے عبادت و طاعت کے لئے باضابطه احکامات جاری کئے تھے ۔ تو همات اور خرافات جو اس سے پهلے رائج تھیں ان کا خاتمه کر دیا تھا ، مثلاً ان سے پهلے یه رسم چلی آ رهی تھی که وه مردوں کو بهت سے تعویذ اور هار پهول پهنا کر دفن کیا کرتے تھے ۔ ان سلاطین غرناطه نے یه خلاف سنت طریقه ختم کر دیا ۔ تعزیرات جاری کرنے کا ڈھنگ بھی بالکل الگ تھا ۔ جو پهلے کے حکمرانوں سے بالکل مختلف تھا ، یعنی جلاوطن کئے جانے وغیره کی سزا کے بجائے مجرم کے لئے سزائے قید کا رواج قائم کیا اور ان سے جیل خانوں میں کسی نه کسی قسم کا کام لیا جاتا تھا (۲۲) ۔

اس اجمالی تعارف سے یه اندازه بخوبی هو جاتا ہے که سلطنت غرناطه حکمرانوں کے ذاتی حالات سے قطع نظر ، ان مذکوره خدمات نافعه اور امور جلیله کے لحاظ سے تاریخ عالم کی حکومتوں میں نهایت هی لائق تحسین اور قابل تعریف حکومت رهی ہے ۔

غرناطه : طبعی و جغرافیائی خصوصیات : ۔

عالمی تهذیب کی ترقی اور معیاری تمدن کی تشکیل کے سلسلے میں بعض مقامات کو ابدی شهرت و عظمت حاصل رهی ہے اسپین کی سر زمین جب مسلمانوں کے زیر نگیں آئی اور مشرق و مغرب کی

مختلف النسل قبائل میں باھمی ارتباط کا موقعه آیا تو تہذیب و تمدن اور صنعت و حرفتْ کے نئے دروبام آراستہ ھو گئے قرطبہ ، اشبیلیہ اور غرناطہ جیسی بستیاں گہوارہ علم و ادب اور مرکز تہذیب و تمدن بن گئیں ۔ موسی بن نصیر کے فرزند عبدالاعلی نے اسپین کے اس خطہ کو جس کا نام ,,البیرہ ،، تھا ھسپانوی زبان میں Elvira ۹۳ ھجری مطابق ۷۱۱ عیسوی میں فتح کیا ۔ یہ شہر رومیوں کا آباد کردہ تھا اس میں ایک علاقہ غرناطہ کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔ پرانا شہر امتداد زمانہ کے ھاتھوں آھستہ آھستہ ختم ھو گیا اور اس کی جگہ غرناطہ کے نام نے لے لی ۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں ۵ ویں صدی ھجری (۱۲ صدی عیسوی) میں یہ ایک صوبہ بن گیا ۔ جس کی آبادی ۱۳ ویں صدی عیسوی میں ۴ لاکھ ۴۴ ھزار نفوس تک پہنچ چکی تھی ۔ (۲۳)

ابن الخطیب کے بقول (۲۴) اس شہر کا نام غرناطہ اور بعض کے نزدیک اغرناطہ اصلاً اسپین کے ایک صوبہ البیرۃ کا ایک قدیمی شہر تھا ، جو اسپین کے صوبوں میں سب سے بڑا صوبہ تھا رومیوں کی قدیم تاریخ میں یہ علاقہ ,,سنام الاندلس ،، کے نام سے بھی موسوم تھا ۔ اس صوبہ کا ایک شہر قسطیلیۃ کے نام سے پکارا جاتا تھا شہر غرناطہ البیرۃ کی اصل آبادی سے آٹھ میل دور آباد تھا ، قرطبہ اس کے جنوب مشرق میں ۴۸ میل کے فاصلہ پر واقع تھا کوھستانی سلسلہ غرناطہ سے مشرقی و جنوبی سمت میں چلا گیا ہے ,,جبال البراجلہ ،، اس کے مشرق و جنوب کے درمیان واقع ھیں اور کنبانیۃ (میدان) اس شہر کے مغرب اور جنوب کی سمت میں ہے ، غرض ساحل کی قربت کی وجہ سے ساحلی مقامات کے خوش رنگ تازہ پھلوں کا خرمن اور بحری قافلوں کی گزرگاہ ہے ۔ یہ علاقہ بےحد سر

سبزوشاداب ہے ۔ کنبانیہ اور براجلات کی وجہ سے میوہ جات کے علاوہ گیہوں اور دیگر غلوں کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے ۔ دنیا کے مشہور برفستانی پہاڑوں میں ایک کوہ ,,شلیر،، (۲۵) بھی ہے جس پر موسم گرما و سرما میں برابر برف جمی رہتی ہے ۔ یہ پہاڑ غرناطہ سے ٦ میل جنوب میں واقع ہے ، دامن کوہ سے جابجا چشمے نکلتے ہیں اور اس کی آبشاروں سے ۳٦ دریا نکلے ہیں ۔ ان طبعی اور جغرافیائی خصوصیات کی وجہ سے غرناطہ کی آب و ہوا صحت مند ہے مرغزاروں اور باغوں کی کثرت کی وجہ سے ہر طرف سرسبز و شاداب علاقوں کی کثرت ہے یہاں کے باشندے خوب رو ، تنومند اور دلیر و جفاکش ہوتے ہیں ۔ غالباً انہیں خصوصیات کی بنا پر ابن غانیۃ نے مرابطین کو مخاطب کر کے کہا تھا :

اُندلس مثل ڈھال کے ہے اور غرناطہ اس کا دستہ ہے ۔ اے مرابطین کی جماعت! اگر تم دستے کو مضبوط پکڑے رہو گے تو پھر ڈھال تمہارے ہاتھوں سے کبھی نہیں نکل سکتی ،، (۲٦) ۔

قاضی ابوبکر بن شیریں نے اپنے چند اشعار میں غرناطہ کی سردی کی تعریف کی ہے :

رعی الله من غرناطة متبوأ
لیُسر کئیباً أویجیر طـــریدا
تبرّم منها صاحبی عند ما رأی
مسارحهـا بالبرد عُدن جلیـــدا
هی الثّغر صان الله من أهلت به
وماخیر ثغر لاتکون برودا

(خدا غرناطہ کو محفوظ رکھے ۔ یہ ایسی جگہ ہے کہ یہاں غمگین کو مسرت اور جلاوطن کو پناہ ملتی ہے ، میرا دوست اس منظر کو

دیکھ کر گھبرا اٹھا کہ تمام چراگاھیں سردی سے برفستان ہو گئیں ۔ غرناطہ ایک ثغر (سرحدی مقام) ہے خدا اس کے ساکنین کو محفوظ رکھے اور جو ثغر (دانت) اولوں کی طرح نہ ہو وہ خوشنما نہیں ہوتا)

کاشتکاری کو بےحد فروغ حاصل رہا ۔ زرخیزی میں سوائے دمشق کے اسلامی عہد حکومت میں کوئی اس کے برابر نہیں ۔ غلہ کے علاوہ گنے کی کاشت بہت اچھی ہوتی ۔ معدنیات میں بھی یہ علاقہ خداداد تھا ۔ سونے ، چاندی ، سیسہ ، توتیا اور لوھے کی بیش بہا کانیں یہاں موجود تھیں مقام دلایۃ (موجودہ Dahas) میں یکنجوج نام کی ایک لکڑی پیدا ہوتی ہے جس کی خوشبو عود ھندی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے ,,کوہ شلیر،، پر سنبل کثرت سے پیدا ہوتے ھیں جنطیانا ایک مشہور درخت ہوتا ہے جس میں تریاق کی تاثیر پائی جاتی ہے ۔ اس کے علاوہ قرمز ، جڑی بوٹیاں اور معدنی اور نباتی دوائیں بہ کثرت پیدا ہوتی ھیں ۔ ریشم کی پیداوار بھی بکثرت ہوتی ہے ۔ زرعی اور معدنی اشیاء کی فراوانی کی وجہ سے غرناطہ کے باشندے دولت و ثروت سے مالا مال تھے ۔ اسپین کا ایک مورخ ابو مروان بن خلف حیان (۳۷۷ ۔ ۴۶۹ ھ) وھاں کی کثیر دولت کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے :

,,شہر کی جامع مسجد کے دروازے کے قریب ہر وقت ایسے پچاس گھوڑے جمع رہتے تھے جن کی لگاموں کے دھانے تمام تر چاندی کے ہوتے تھے کیونکہ وھاں رؤسا بکثرت آباد تھے ان کی عالیشان عمارات اور محلات اور جامع مسجد کی عالیشان عمارت ان کے تمول کی مظہر ھیں ،، (۲۷) ۔

لسان الدین ابن الخطیب غرناطہ کی منظر نگاری ان الفاظ میں کرتا ہے :

بلديحف به الرياض كأنه

وجه جميل والرياض عـذاره

وكأنما واديه معصـم غادة

ومن الجسود المحكمات سـواره

غرناطه ایک ایسا شہر ہے کہ جس کے چاروں طرف باغ ھی باغ ھی باغ ھیں گویا وہ کسی حسین کا چہرہ ہے اور باغ اس کے رخسار ھیں اور اس کی وادی کسی نازک اندام کی کلائی اور اردگرد کے مستحکم پل اس کے کنگن ھیں " ۔

غرناطه کی ساری فضا نغمه پرور اور دلکش منظر سے معمور معلوم ھوتی تھی ۔ شاعروں کے الفاظ میں یه جگه ,,جنت ارضی " سے کم نه تھی ۔ یه ممکن ہے که بعض شعراء نے بعض قدرتی مناظر کو مبالغه آرائی سے پیش کیا ھو لیکن اس خیال سے غرناطه کی پر بہار فضا کو کسی طرح بھی جغرافیائی اسباب و عوامل اور اثرات سے متثنیٰ نہیں کیا جا سکتا ۔ اسپین اپنے جغرافیائی حدود کے لحاظ سے اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کی آب و ھوا اور قدرتی مناظر سے کسی طرح کم نہیں ہے ۔ غرناطه کی توصیف میں ایک اور شاعر ابوالحجاج یوسف بن سعید بن حبان کہتا ہے :

احسن الی غرناطه کلما هفّت

نسیمُ الصبا تهدی الجوی وتسوّق

سقی الله من غرناطة کل منهل

بمنهل سحب ماؤهن هریق

دیار یدور الحسن بین خیامها

وأرض لها قلب الشّجیّ مشوق

أغرناطة العُلیا بالله خبری

اللهائم الباکی الیک طریق

غرناطہ اپنی نفاست و پاکیزگی کی وجہ سے عروس البلاد کہلاتا تھا ۔ ابن بطوطہ اس شہر کی تعریف میں لکھتا ہے :

ھی قاھرة بلاد الاندلس و عروس مدنھا وخارجھا لا نظیرله فی الدنیا وھو مسیرة اربعین میلایخترقه نھر شنیل المشھور ، وسواہ من الانھار الکثیرہ ، والبساتین الجلیلة والجنّات والرّیاضات والقصور و الکروم محدقة بھا من کل جھة (۲۹)۔

(یہ غرناطہ اندلس کا دارالسلطنت ہے اور اندلس کے شہروں میں دلہن ہے حسن و خوبصورتی میں اس کی نظیر ملنا محال ہے ، اس کا رقبہ چالیس میل ہے۔ مشہور دریائے شنیل اس کے پاس سے گزرتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے دریا اور ندیاں ھیں ۔ بڑے بڑے باغات اور سبزہ زار اور محلات یہاں موجود ھیں انگوروں کی بیلیں دور دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ھیں)

علامہ شقندی اسے اندلس کا دمشق کہتا ہے۔ ابو جعفر الغرناطی کہتا ہے :

ھی الفروس فی الدنیا جمـــا
لساکنھا ، کارھُھا البعوض (۳۰)

یہ خطہ ساکنان شہر کے حسن و جمال کے سبب فردوس بریں ہے اور اس سے نفرت کرنے والا حقیر مچھر ہے)

زراعت

دیہی علاقوں میں کثرت سے کسان آباد ہوئے تھے جو خود اپنی کاشت کرتے ، ان کی زمینیں امراء و سلاطین کی عطا کی ہوئی ہوتی تھیں ۔ اراضی کی تقسیم دو طرح پر تھی ایک تو وہ اراضی تھی جو امرا و سلاطین کی ملکیت تھی جس میں حسین باغات لگائے جاتے تھے اور اکثر پھلوں کی کاشت ہوتی جن میں انگور کی کاشت عام تھی ۔

کوئی حصہ زراعت سے کبھی خالی نہیں رہتا تھا ۔ ان باغات اور اراضی میں جگہ جگہ عالیشان عمارات ، برج ، وسیع خرمن ، کبوتر نیز دیگر پالتو جانوروں کے لئے چراگاھیں ھوتی تھیں ۔ ان میں خاص کر دار ھذیل دار ابن مرضی، داربیضاء ، دارسفیات۔اوردار نبلہ ان کے علاوہ باقی اراضی رعایا کی ملکیت تھی جو خود کاشت کاروں کے خوردو نوش کا ذریعہ تھی ایسے وسیع قطعات باسٹھ ہزار سے زائد تھے جن میں سے ھر بڑے قطع کی قیمت تقریباً ۲۵ طلائی دینار ھوا کرتی تھی ۔ ان کے علاوہ شاھی اراضی اور املاک جو مساجد اور رفاہ عام کے لئے وقف تھیں ان کی مجموعی تعداد تقریباً ۵ لاکھ ساٹھ ہزار ھوتی تھی ۔ شاھی اراضی کی سالانہ غلہ کی پیداوار تین لاکھ قدح سے زائد تھی (۳۱) ۔ اس زمانہ میں آٹا پیسنے کے لئے پن چکیوں کا بھی رواج تھا ۔ غرناطہ کی شہر پناہ کے اندر اور باھری علاقوں میں ۱۳ ایسی پن چکیاں چلتی تھیں ۔ (۳۲)

غذا

غذا میں عام طور پر عمدہ گیہوں سال بھر تک استعمال ھوتا مگر بادیہ نشین اور مزدور موسم سرما میں عربی جوار اور چنا ، مٹر اور مسور وغیرہ کھاتے تھے ۔ میوہ جات اور پھل بہ افراط ملتے تھے انگور نصف سال تک ملتا تھا ۔ انجیر ، منقی ، سیب ، انار بلوط ، ناریل بادام اور میوہ جات خشک و تر ھر موسم میں بلا استثنا ملتے تھے (۳۳) ۔

حلیہ

لوگوں کا رنگ عام طور پر سرخ و سپید ھوتا تھا ۔ ناک متوسط قدرے بلند قد میانہ پستی کی طرف مائل ۔ بال کالے اور لانبے گفتگو میں عام طور پر فصیح عربی بولتے ۔ مخارج کو اکثر گھٹا کر باتیں کرتے تھے نزاعی معاملات میں نہایت خودار رھتے تھے ۔ (۳۴) ۔

موسم سرما میں عام طور پر رنگین پوشاک زیب تن کرتے ۔ کتان ریشم سوت اور موعر کے کپڑے پہنتے امارت اور مرتبے کے لحاظ سے کپڑوں میں فرق ہوتا ۔ موسم گرما میں افریقی چادریں ، تیونسی کرتے اور لنگیاں استعمال کرتے تھے ۔ عمامہ کا عام رواج نہیں رہا تھا ۔ خال خال لوگ مثلاً شیوخ علماء و قضاۃ اور عربی فوج کے سردار عمامہ استعمال کرتے تھے ۔ البتہ عصا رواج میں تھا لیکن اس کی ساخت میں جدت یہ تھی کہ بید کی لکڑی سے بنائے جاتے تھے خاص طور پر ,,امداس،، کی چھڑیاں مشہور و مقبول تھیں ۔ فرانسیسی ساخت کی کمانیں اور تیر ہمیشہ ساتھ رکھتے ، جن سے تیر اندازی کی مشق کرتے ۔ تہواروں میں اقتصادی منفعت کو فوقیت دی جاتی تھی ۔ بازاروں کی نمائش، زیب و زینت کے ساتھ ساتھ صنعت کاری کی اشیاء اور آلات کی خرید و فروخت بھی انہی موقعوں پر عمل میں آتی (۳۵) ۔

زیورات

سونے کے زیورات میں گلے کے ہار ، کنگن ، بالیاں اور پازیب خوشحال طبقے میں استعمال کئے جاتے دوسرے طبقہ کے لوگ پاؤں کے اکثر زیورات چاندی کے استعمال کرتے تھے ۔ عمدہ قسم کے بیش قیمت جواہرات یاقوت ، زبر جد وغیرہ امراء اور ارکان دولت بکثرت استعمال کرتے تھے ۔ بیگمات حسن و جمال میں شہرۂ آفاق حیثیت کی مالک ہوتی تھیں ، نازک اندام ، گیسودراز ، دُردندان ، عنبرفشاں ، سبک رفتار ، خوش گفتار اور عام طور پر نیک کردار ہوتی تھیں ۔ ان کی زیب و زینت ، آرائش زرین ملبوسات ، رنگیں پوشاک اور بو قلموں زیورات سے ہوتی تھی ۔

سکے

کاروبار میں زرمبادلہ سونا اور چاندی کے سکے تھے درھم مربع شکل ھوتے تھے جن کا وزن عہد موحدین سے ابو عبداللہ محمد بن تومرت المعروف المھدی کے مقرر کردہ وزن کے مطابق ھوتا تھا یعنی ایک اوقیہ چاندی میں ستر درھم بنائے جاتے تھے ۔ درھم پر مختلف ادوار میں مختلف عبارات کندہ ھوتی تھیں ۔ تیرھویں صدی میں درھم پر ایک جانب کلمۂ توحید اور دوسری جانب لاغالب الا اللہ غرناطہ ، منقوش ھوتا تھا ۔ نصف درھم کو قیراط کہتے تھے اس کے ایک رخ پر الحمدللہ رب العالمین اور اس کی پشت پر ,,وما النّصر الامن عنداللہ ،، مرقوم ھوتا تھا اور نصف قیراط بھی بنتا تھا جس کے ایک جانب ھُدی اللہ ھوالھدی ، اور دوسری جانب العاقبۃ للتقوی درج کیا جاتا تھا ۔ دینار کا وزن $\frac{٦}{٤٠}$ اوقیہ ھوتا تھا ، اس کے ایک طرف قل اللھم مٰلک الملک بیدک الخیر اور اطراف میں والھکم الہ واحد ، لا الہ الاھوالرحمن الرحیم دوسری طرف الامیر عبداللہ یوسف بن امیر المسلمین أبی الحجاج بن امیر المسلمین ابی الولید اسماعیل بن نصر أیّداللہ امرہ اور اطراف میں لاغالب الا اللہ تیرھویں صدی عیسوی کے آخری ربع میں دینار کے ایک رُخ پر یایھا الذین آمنوا الصبروا و صابروا و رابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون اور حاشیہ پر ,,لاغالب الا اللہ ،، دوسرے رُخ پر الامیر عبدالغنی باللہ محمد بن یوسف بن اسماعیل بن نصر أیدہ اللہ وأعانہ اور اس کے ربع دائرہ میں بمدینۃ غرناطہ حرسھا اللہ لکھا جانے لگا تھا (٣٦)۔

فوجی نظام

غرناطہ کی فوج دو قسم کی تھی ، ایک اندلسی سپاہ پر مشتمل تھی اور دوسری طرف بربری نسل کی سپاہ پر ۔ ان کا سالار ان کے

خاندان کا کوئی لائق و معتمد شخص ہوتا تھا جس کو بادشاہ خود منتخب کرتا تھا ۔ احمد بن موسی کا بیان ہے کہ فوج کے دو حصے ہوتے تھے ایک غازیوں کا دوسرا مقمین کا ، غازی کو اپنی جنگی خدمت انجام دینے کی وجہ سے دو سو دینار ملتے تھے اور مقیم سال میں تین ماہ تک بلا کسی معاوضہ کے رہتا تھا اس کی مدت ختم ہوتے ہی اس کو کسی غازی کی جگہ مامور کر دیا جاتا جو اس کے خاندان کا ہوتا تھا ۔ غازی تین ماہ تک آرام کرتا ، غازی معاھدین کے بھائی اولاد اور برادرعم زاد کو جو شامی فوجوں میں ہوتے انھیں اختتام جنگ پر دس دس دینار دیئے جاتے تھے ۔ معاھدین کا یہ فرض تھا کہ وہ سپہ سالار کے ساتھ رہ کر ان لوگوں کے حالات کی تحقیقات کیا کریں جو جنگی خدمات میں اپنے آپ کو انعام و اکرام کا مستحق بنائے چنانچہ معاھدین کے اعزاز کی بنا پر جس جس کی وہ سفارش کرتے تھے انھیں صلہ و انعام دیا جاتے تھا ان معاھدین کی خدمات صرف فوج سے متعلق تھیں جو شامی غازی معاھدین کے خاندان سے نہ ہوتے انھیں اختتام جنگ پر پانچ پانچ دینار ملتے تھے ۔ باشندگان شہر میں سے بجز معاھدین کے کسی کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا ۔ (۳۷)

محاسب اور منشی خاص کر شامیوں میں سے ہوتے تھے ، تمام شامیوں کی عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) کی ادائیگی سے آزاد کر دیا گیا تھا ۔ البتہ جنگی خدمات کے لئے انھیں ہر وقت آمادہ و مستعد رہنا پڑتا تھا ۔ اور سوائے ان ذمیوں کی مال گزاری کے جن کے کاشتکار عیسائی اور مالک وہ خود تھے انھیں اور کوئی محصول نہیں دینا پڑتا تھا بقیہ شہری عربوں کو دیگر باشندگان شہر کی طرح عشر ادا کرنا پڑتا تھا اور سوائے ان میں جو خاندان اور کنبے والے ہوتے انھیں شامیوں کی طرح جنگ میں شریک ہونا پڑتا اور اس کا کوئی

صلہ یا معاوضہ نہیں دیا جاتا ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں کیا گیا ۔ باشندگان شہر کو جنگی خدمات کے لئے نام درج کرانا لازمی تھا ۔

فوجی لباس فرانسیسی وضع کا رائج تھا لیکن بعد میں اس میں کچھ تبدیلی کر لی گئی تھی ، یعنی پورے جسم کی زرہ اور ڈھال بڑے بڑے خود ، چوڑے نیزے ، موٹی زین اور پس پشت جھنڈیاں استعمال کی جاتی تھیں ، مگر بعد میں مختصر جوشن ، باریک دھار کی تلوار ، عربی ڈھال ، سادے تیر اور لچکدار نیزے کام میں لائے جاتے تھے (۳۸) ۔

تعمیر

فن تعمیر میں اسپین کے عرب بہت دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے فن تعمیر میں قدیم کلیساؤں کے طرز تعمیر کو نئی شکل دینے کی کوشش کی ۔ بقول ڈاکٹر جوزف ہیل :

عربوں نے مشرقی اور مغربی آرٹ کے امتزاج سے ایک نئی چیز ۔ جو انتخاب اور ترکیب کا نتیجہ تھی ، پیدا کی اور اسے اپنی طرف سے ایک جداگانہ صورت دیدی چنانچہ یہ جدید آرٹ ایک طرف تو عربوں کے اعلی مذاق کی مظہر ہے دوسری طرف ایرانی ، قبطی اور بازنطینی کاریگروں کے اشتراک عمل کا نتیجہ ہے ۔

جامع قرطبہ ، اور غرناطہ کا ,,قصر الحمراء ،، اسی آرٹ اور فن تعمیر کا نمونہ ہیں ۔ قصر الحمراء کی تعمیر ۱۲۲۲ میں محمد الاحمر کے ہاتھوں شروع ہوئی ابو عبداللہ محمد ثالث ، ابو الحجاج یوسف اور محمد غنی باللہ نے اسے خاص طور سے وسعت دی (۳۹) عیسائیوں کے عہد میں اس کی اکثر عمارات کو نقصان پہنچا ۔ ۱۰۱۸ء میں اس کی بڑی مسجد کو مسمار کر دیا گیا ۔ اس محل کا جو بھی حصہ

باقی ہے وہ چودھویں صدی عیسوی کا تعمیر شدہ ہے جس میں اندلسی آرٹ اپنے انتہائے کمال پر نظر آتا ہے اس کے قدیم ترین حصہ میں ایک چھوٹے سے صحن کے ساتھ ایک اونچی سی دیوار بنی ہوئی ہے جس کی سطح پر اعلی درجہ کی آرائش موجود ہے لیکن وہ صحن جو مہندی کے تختوں سے آراستہ ہے اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں جو سنگین برج ، ,,برج قمر ،، ہے اس کی دیواروں کے سادہ سطحات عربوں کی جنگی قوت کی آخری علامت ہیں ۔

تعلیمی مراکز

سلطنت غرناطہ میں دو قسم کے مدارس قائم تھے ۔ ایک تو ابتدائی جن میں عموماً غرباء کے بچوں کے لکھنے پڑھنے اور دینیات کی تعلیم کا انتظام تھا دوسرے اعلی مدارس جہاں تمام اعلی مضامین پڑھائے جاتے تھے ، یورپ کی وحشی اقوام کے شائقین ہزاروں کی تعداد میں آ کر وہاں نور علم سے بہرہ ور ہوتے تھے ۔ مشہور مائیکل اسکاٹ اور میور یہیں کے نکلے ہوئے فرزند تھے ، کہا جاتا ہے کہ سلطنت غرناطہ میں ستر عام کتب خانے سترہ کالج اور دو سو ابتدائی مدرسے قائم تھے ۔ ان اداروں سے ایسے ادیب ، مورخ ، محدث اور سائنس داں نکلے اور انہوں نے اپنے کمالات دنیا کے سامنے پیش کئے جس کی وجہ سے غرناطہ کی یونیورسٹی کا نام روشن ہو گیا تھا اور جسے آج بھی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے جہاں تک ان اداروں کے انتظام و اہتمام کی بات ہے۔ یہ ایک ریکٹر کے سپرد ہوتا تھا جس کا انتخاب عام طور پر وقت کے دانشور علماء میں سے ہوتا تھا اور اس تقرری میں مذہب کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا تھا ۔ یہودی اور عیسائی عالم بھی اس عہدے پر برابر ممتاز ہوئے تھے ۔

حوالہ جات

۱ ۔ واٹ ، منٹگمری : اے ہسٹری آف اسلامک اسپین ، ص ۳۱ (انگریزی)

۲ ۔ احمد المقری : نفح الطیب ، ج ۴ ، ص ۱۱۷

۳ ۔ اے پولیٹکل ہسٹری آف مسلم اسپین امام الدین ، ص ۱۰۳

۴ ۔ ابن الخطیب : الاحاطہ ، تحقیق محمد عبداللہ عنان

۵ ۔ الاحاطہ فی اخبار غرناطہ ، تحقیق محمد عبداللہ عنان ،

۶ ۔ کتاب العبر : ابن خلدون ج ۴ : ۲۵۲ ۔ ۲۸۱ ۔ مطبوعہ لبنان ، ۱۹۵۸ء ، تاریخ افتتاح الأندلس ابن القوطیہ ، ۱۸۶۸ ، پی ، کے ہٹی ، (انگلش ایڈیشن لندن ۱۹۵۱)

۷ ۔ ابن القوطیہ ، الزخیرۃ فی محاسن اھل الجزیرہ ، ابن القاھر ہ ۱۹۳۲ ء ابن خلدون ج ۴ : ۲۵۲ ۔ ۲۸۱ ، اسپانوی اسلام ، دوزی (انگلش ایڈیشن) لندن ۱۹۷۲ء

۸ ۔ نفح الطیب ، المقری ، مصر ۱۹۳۹ء اور اے ہسٹری آف اسلامک اسپین ؛ واٹ منٹگمری ، ص ۸۲

۹ ۔ المعتمد : دیوان ، مطبوعہ قاھرہ ۱۹۵۱ ء

۱۰ ۔ تاریخ اندلس ۔ محمد عبداللہ عنان ، ص ۲۸ ۔ ۲۸ ، القاھرہ ۱۹۵۸ء ، ابن خلدون ۴ : ۳۳۶ ۔ ۳۶۰ ، ابو الفداء ، المختصر فی اخبار البشر، قاھرہ ۔

۱۱ ۔ ھٹی ، پی ، کے ، ھسٹر آف دی عربس ((انگریزی) ص ۶۴۲

۱۲ ۔ تاریخ اُندلس ص : ۶۲ ۔ ۷۳ ابن خلدون ۴ : ۶ ۔ ۳ بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس ، ابو جعفر ضبی

۱۳ ۔ ایضاً

۱۴ ۔ ابن خلدون ۴ : ۳۶۱ ۔ ۳۶۵ ، محمد عبداللہ عنان ص : ۱۸۶ ۔ ۳۲۷ ، الذخیرہ ، نفح الطیب ، پی ، کے ھٹی : ھسٹری آف دی عربس (انگریزی) ص ۵۴۶ ۔

۱۵ ۔ سید امیر علی : اسپرٹ آف اسلام ۔

۱۶ ۔ المصدر نفسہ

۱۷ ۔ دیکھئے اللمحۃ البدریۃ فی الدولۃ النصریۃ ابن خطیب القاھرہ ۱۳۴۷

۱۸ ۔ Gayangos, Pascual DE : The History of Muhammaden Dynasties in spain, London 1840—43 P. 114

۱۹ ۔ Watt Montgomery. W. A History of Muslim Spain, P. 163.

۲۰ ۔ ابن الخطیب : الاحاطہ تحقیق محمد عبداللہ عنان (عربی)

۲۱ ۔ الدولۃ النصریۃ ، ابن خطیب : ۸۹

۲۲ ۔ ابن الخطیب : الاحاطہ فی اخبار غرناطہ ، تحقیق محمد عبداللہ عنان (عربی)

۲۳ ۔ ابن الخطیب : الاحاطہ فی اخبار غرناطہ ، ج ۱ : ص ۲۹

۲۴ ۔ الاحاطہ ج ۱ ۔ ۱۴

۲۵ ۔ جبل شلیر یہ لاطینی قدیم زبان کا لفظ Solorius یا Mons Solorius ہے جس کے معنی جبل شمس کے ھیں جس پر ھمیشہ برف جمی رھتی ہے آج کل اس کو Sierra Neyda (نیفادا) کہتے ھیں ۔

۲۶ ـ الاحاطه ص ۳ ـ ۱
۲۷ ـ المُقتبس فی تاریخ رجال الاندلس : لضبی
۲۸ ـ دریائے شنیل یا جنیل Genil جو غرناطه سے ۵ کلو میٹر جنوب مغرب میں بہتا ہے۔
۲۹ ـ تحفة النظار ـ ایچ ، اے آرگب ص ۳۱۵
۳۰ ـ المقری ج ۲ : ۲۷ ، واخبار الاندلس ج ۱ : ۲۳۱
۳۱ ـ محمد عبدالله عنان : نهاية الاندلس
۳۲ ـ مشاهدات لسان الدین ، مطبوعه جامعه الاسکندریه ۱۹۵۸ والاحاطه ص ۱۳۸ ـ ۱۳۹
یشتمل سودها و ماوداءه من الارحاء الطاحنة بالماء علی مانیف علی مائة و ثلاثین رحی ص ۱۳۹
۳۳ ـ ایضاً P. K. Hitti: History of the Arabs P. 528
۳۴ ـ ایضاً
۳۵ ـ ابن الخطیب : الاحاطه اور مشاهدات لابن الخطیب
۳۶ ـ نفح الطیب : احمد المقری اور الاحاطه ، ج ۱
۳۷ ـ Immamuddin : Sorve Aspects of Socis Economic History of Muslim Spain
۳۸ ـ Joseph Hell: The Arab Civilization, P. 111
۳۹ ـ مقدمه محمد عبدالله عنان الاحاطه ـ P. K. Hitti: History of the Arabs P. 50

★★★

نموذج كتابة مركبة على هيئة كمثري بخط ثلثي . وكتب في الاوراق « اعوذ بالله ... » و « بسم الله ... » ، كتبها الخطاط هاشم محمد البغدادي على غرار بسملة الشيخ عزيز الرفاعي .

اُندلس میں علمی سرگرمیاں

طفیل ہاشمی

اندلس میں اسلامی حکومت کی بنیاد ۹۲ ھ/۷۱۱ء میں پڑی۔ اسلامی فتح سے پیشتر وہاں کی علمی سرگرمیوں کے ریکارڈ سے تاریخ کا دامن بالکل خالی ہے۔ صاعد الاندلسی نے اندلس کی علمی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

اندلس اسلامی فتح سے قبل علم سے خالی تھا۔ اہل اندلس میں کوئی مشہور عالم نہیں ہوا (۱)۔

قرون وسطی کے مسیحی مصنف ایزو دور اشبیلی (۵۷۰ ـ ۶۳۶ ء) نے کچھ کتابیں لکھی تھیں لیکن اسلامی عہد کی علمی تحقیقات میں ان کا بھی کہیں سراغ نہیں ملتا۔

اسلامی اندلس میں علمی ترقی مشرق کی بہ نسبت تاخیر سے شروع ہوئی جس کی بڑی وجہ وہاں کے مقامی حالات تھے۔ ابتدائی عہد کے مسلم حکمرانوں کو مقامی تزاعات نے علمی و فکری ترقی کی طرف توجہ دینے کی مہلت ہی نہیں دی (۲)۔ اس کے باوجود عبدالرحمن الداخل (۷۵۶ ـ ۷۸۸) لوگوں میں علم و ادب کا شوق بیدار کرنے کے لئے مشاعروں اور مناظروں کی مجالس منعقد کراتا تھا منظوم ادبی شہ پاروں اور کامیاب مناظروں پر انعامات دیئے جاتے تھے۔ اور امیر عبدالرحمن بذات خود ان علمی مجالس میں شریک ہوتا تھا (۳)

اندلس کی حقیقی ترقی کا آغاز عبدالرحمن ثانی کے عہد حکومت (۸۲۲ ـ ۸۵۲) سے ہوا ـ وہ آرٹ اور تعمیرات کا دلدادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ادبیات اور علوم عقلیہ کی بھی سرپرستی کرتا تھا ـ اس نے مشرق کے خلفاء کی طرح اپنے دربار میں فضلاء اور اعیان علم کو جمع کیا ـ اس کے دربار میں یحیی بن یحیی ، عبدالملک بن حبیب ، ابن الماجشون ، اصبغ بن الفرج اور محمد بن مزین جیسے محدثین و فقہاء اور یحیی بن حکم بن الغزال اور تمام بن علقمہ ایسے شعراء موجود تھے (۴)ـ اس نے علمی و ادبی کتب کی فراہمی کے لئے متعدد اہل کار مقرر کئے ہوئے تھے جو بلاد مشرق کے سفر کرتے نئی اور کم یاب کتب حاصل کر کے انہیں اندلس پہنچاتے ـ عباس بن ناصح کو یونانی کتب سائنس و فلسفہ کے عربی تراجم کی خریداری کے لئے عراق کے کتب فروشوں کے ہاں بھیجا ـ اس کے عہد میں قرطبہ کی سرکاری لائبریری میں خاطر خواہ اضافہ ہوا (۵)ـ ہر چند اس عہد میں تعلیم عام کرنے کے اقدامات کئے گئے لیکن فقہاء مالکیہ کے حد سے بڑھے ہوئے اثر و رسوخ کے باعث علوم عقلیہ کے مطالعہ کو قبول عام حاصل نہ ہو سکا ـ البتہ عبدالرحمن الناصر (۹۱۲ ـ ۹۶۱) کا دور آزادی افکار کا دور تھا۔

قرطبہ کا فلسفی ابن مسرۃ (م ۳۱۹ / ۹۳۱ ء) جسے ملحدانہ افکار کی تبلیغ کے الزام میں ملک بدر کر دیا گیا تھا عرب سے واپس اندلس آ گیا اور اپنے افکار کی تبلیغ کے لئے سیرہ میں مدرسہ تصوف کی بنیاد رکھی (۶)ـ سائنس کی مختلف شاخوں میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا ـ اسی دور میں تاریخ میں ابن الاحمر (م ۹۶۹ ء) علم ہیئت میں احمد بن نصر (م ۹۴۴) اور مسلمہ بن قاسم (م ۹۶۴ ء) علم ریاضی میں ابو غالب حباب بن عبادہ اور ابو ایوب ، علم طب میں عریب بن سعد الکاتب یحیی بن اسحاق اور حسدائی بن

شپروط(م ۳۶۱ / ۹۷۱ء) نے شہرت حاصل کی (۷)۔ اسی عہد میں شاہ قسطنطنیہ نے ۳۳۷ ھ/ ۹۴۸ء میں دیسقوریدس کی کتاب الادویۃ المفردۃ کا یونانی متن خلیفہ کو تحفۃ بھیجا جس کے ترجمہ کے لئے خلیفہ کی خواہش پر بعد میں ۳۴۰ / ۹۵۱ء میں نقولا راہب کو بھیجا گیا جس نے متعدد اطباء کی مدد سے اسے یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا (۸)۔ ابن القوطیہ (۳۶۸ / ۹۷۸ ء) نے افتتاح الاندلس کے نام سے عبدالرحمان الناصر کے عہد کے اوائل تک اسلامی اندلس کی تاریخ لکھی (۹)۔ احمد الرازی (۳۴۲ / ۹۵۳ ء) نے اندلس کی ایک تاریخ لکھی (۱۰) جس سے بعد میں ابن الابار اور المقری نے بھرپور استفادہ کیا اور جابجا اس کے حوالے دیئے۔

اندلس میں فراہمی کتب اور تصنیف و تالیف کا انقلابی دور عبدالرحمان الناصر کے جانشین الحکم ثانی (۹۶۱ ۔ ۹۷۶ء) سے شروع ہوتا ہے۔ جو عالم اسلام کے خلفاء میں سب سے بڑا عالم تھا . ابن الابار نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ابن الفرضی نے تاریخ علماء الاندلس میں اور ابن بشکوال نے کتاب الصلۃ میں حکم ثانی کا ذکر کیوں نہیں کیا حالانکہ وہ اندلس کے کبار علماء میں سے تھا (۱۱)۔ الحکم اور اس کے بھائی عبداللہ نے اپنے باپ کی زندگی میں اپنی اپنی لائبریریاں قائم کی تھیں۔ الحکم نے ان لائبریریوں کو شاھی لائبریری میں مدغم کر کے اس کے حجم میں بڑا اضافہ کر دیا (۱۲)۔ وہ کتابوں کا دلدادہ تھا اس کے کارندے دنیائے اسلام میں ہر کہیں مخطوطات یا ان کی نقلیں حاصل کرتے پھرتے تھے۔ قرطبہ کے ایک ادیب اور قاموس نگار محمد بن ابی الحسین فہری اور ایک دوسرے عالم محمد بن معمر کو حکم ثانی نے فراہمی مخطوطات اور نادر کتب کی نقول تیار کرنے پر مقرر کیا تھا (۱۳)۔ یوسف البلوطی ، ابو الفضل

بن ہارون ، عباس بن عمرو اور ظفر بغدادی نقل نویسی پر مامور تھے۔

فراھمی کتب کے لئے بیرونی فضلا اور وراقین کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں جن میں مصر کا ابن سابان ، بغداد کا ابن یعقوب الکندی اور محمد بن طرحان حکم ثانی کی لائبریری کے لئے کتابیں فراھم کرتے تھے (۱۴)۔ مشرق میں جو کتابیں تصنیف ھوتی تھیں ان کا علم اسے فضلاء مشرق سے بھی پہلے ھو جاتا تھا اور وہ کتاب کا پہلا نسخہ حاصل کرنے کے لئے مصنفین کو گراں قدر انعامات دیا کرتا ۔ اس زمانے میں عراق میں ابو الفرج الاصبہانی (۸۹۷ ۔ ۹۶۷) اپنی تصنیف ,,کتاب الآغانی ،، مرتب کر رھا تھا الحکم کو معلوم ھوا تو اس نے کتاب کا پہلا نسخہ حاصل کرنے کے لئے الاصبہانی کے پاس ایک ھزار دینار بھیجے (۱۵)۔

اس طریقے سے الحکم کی لائبریری قرون وسطی کی سب سے بڑی لائبریری بن گئی ۔ اس کی لائبریری میں چار لاکھ کتابیں جمع ھو گئی تھیں جن کی فہرست چوالیس جلدوں پر مشتمل تھی اور ھر جلد کے بیس اور ایک روایت کے مطابق پچاس صفحات صنعت شاعری کی کتابوں کے لئے مختص تھے (۱۶)۔ جب کہ مصر کے شاھی کتب خانہ میں العزیز (م ۹۹۶ء) کے زمانے میں قرطبہ کے شاھی کتب خانہ سے نصف یعنی دو لاکھ کتابیں تھیں ۔ بغداد کے سرکاری کتب خانہ میں کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا لیکن ان کی صحیح تعداد بیان نہیں کی گئی ۔ المستنصریہ کالج کی لائبریری میں ۱۲۳۲م میں صرف اسی ھزار کتابوں کا ذخیرہ تھا (۱۷) جبکہ اس کے چار سو سال بعد فرانس کے شاہ عاقل نے اپنے دارالحکومت میں ایک لائبریری قائم کی جس میں وہ صرف نو سو کتابیں جمع کر سکا (۱۸)۔

خولیان ریبرا حکم ثانی کے کتب خانے کے بارے میں رقم طراز ہے :

,,جس عمارت میں الحکم کا کتب خانہ تھا وہ کچھ عرصہ کے بعد ناکافی ہو گئی تو الماریوں میں کتابیں ایک دوسرے کے اوپر رکھ دی گئیں یہاں تک کہ مزید گنجائش نہ رہی چنانچہ کتب خانہ دوسری جگہ منتقل کرنا پڑا ۔ اس کتب خانے کی عظمت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کے منتقل کرنے میں چھ ماہ لگ گئے جب کہ خاصی تعداد میں لوگ مسلسل کام میں لگے رہے ،، (۱۹)۔

الحکم ثانی نے نہ صرف اتنی بڑی تعداد میں کتابیں جمع کی تھیں بلکہ ان کتابوں میں سے اکثر کا اس نے مطالعہ بھی کیا تھا اور ہر کتاب پر مصنف کی تاریخ ولادت و وفات اور اس کی زندگی سے متعلق کسی عجیب واقعہ کے علاوہ جابجا حواشی بھی لکھے (۲۰) جس کی وجہ سے بعد کے زمانے کے محققین کی نگاہ میں ان مخطوطات کی قیمت دو چند ہو گئی ۔

الحکم ثانی نے قرطبہ کو ایک ایسی علمی مارکیٹ میں تبدیل کر دیا تھا جہاں ہر ملک کی علمی و ادبی تخلیقات دستیاب تھیں ۔ قرطبہ میں بیس ہزار کتب فروشی کی دو کانیں تھیں ۔ بیشتر کتب فروش اپنے اہتمام سے کتابوں کی نقول تیار کرواتے تھے (۲۱)۔ ملک کے تمام اہم شہروں میں پبلک لائبریریاں قائم کی گئی تھیں جو سرکاری خرچ پر چلتی تھیں صرف قرطبہ شہر میں ستر پبلک لائبریریاں تھیں (۲۲) متعدد مردوں اور خواتین کی ذاتی لائبریریاں تھیں جن میں ابن فطیس کی لائبریری سب سے بڑی تھی جس میں ہر وقت چھ نساخ نقول تیار کرنے کا کام کرتے تھے ۔ اس کتب خانے کے مہتمم شہر کے ایک بڑے عالم تھے ۔ اس کتب خانے کی ضخامت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب یہ خاندان اسے فروخت کرنے پر

مجبور ہوا تو چالیس ہزار دینار میں یہ کتب خانہ فروخت ہوا ۔ خواتین میں عائشہ بنت احمد بن محمد بن قادم ، راضیہ نجم ، خدیجہ بنت جعفر التمیمی کے ذاتی کتب خانے تھے (۲۳) ۔ عـام لوگ اور کم آمدنی والے افراد بھی اپنی آمدنی سے بچت کر کے کتابیں خریدتے تھے۔ امراء اور رؤسا بڑی بڑی لائبریریوں کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے اور اس بات پر فخر کیا جاتا کہ فلاں شخص کے پاس فلاں نساخ کی لکھی ہوئی فلاں کتاب موجود ہے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے ۔ اس دور کے رجحان کا اندازہ المقری کے بیان کردہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے :

,,الحضرمی کہتا ہے کہ مجھے ایک کتاب کی شدید ضرورت تھی میں کئی روز تک اس کی تلاش میں قرطبہ کے بازاروں میں گھومتا رہا ۔ آخر ایک روز مجھے وہ کتاب انتہائی خوشخط اور دیدہ زیب جلد والی ایک کتب فروش کے پاس نظر آئی ۔ میں نے اس کی مناسب قیمت تجویز کی لیکن اسی کتاب کے ایک غائب گاہک نے میری قیمت سے زائد بولی دے دی اور یہ سلسلہ چل نکلا یہاں تک کہ کتاب کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی ۔ مجھے اس کتاب کی شدید ضرورت تھی لیکن اتنی زیادہ قیمت ادا کرنا میرے بس میں نہ تھا ۔ میں نے کتب فروش سے کہا کہ مجھے اس غائب گاہک سے ملا دو تو ممکن ہے ہم دونوں میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے ۔ کتب فروش نے مجھے اس سے ملا دیا تو میں نے اس سے کہا اے فقیہ ! اگر آپ کو اس کتاب کی اتنی ہی ضرورت ہے تو میں بولی دینا چھوڑ دیتا ہوں کیونکہ اب اس کی قیمت حد سے بڑھ گئی ہے ۔ اس شخص نے جواب دیا ۔ میں نہ تو فقیہ ہوں اور نہ مجھے

اس کتاب کے مندرجات کا علم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ایک لائبریری قائم کی ہے جس میں ایک کتاب کی جگہ خالی ہے۔ اس کتاب کے نفیس خط اور خوب صورت جلد سے متاثر ہوا ہوں اس لئے اسے خرید کر اپنی لائبریری میں رکھوں گا تاکہ اپنے ہم چشموں میں اس لائبریری کے باعث شہرت اور عزت پاؤں۔ میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میں ہر قیمت پر اسے خرید سکتا ہوں " (۲۵)۔

قرطبہ کی شاہی اور نجی لائبریریوں کی بربادی کے بعد بھی بارھویں صدی میلادی تک قرطبہ میں اُندلس کے دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ کتابیں موجود تھیں۔ ابن رشد (م ۵۹۵/ ۱۱۹۸) نے قرطبہ اور اشبیلیہ کا باھمی تقابل کرتے ہوئے کہا ہے اگر اشبیلیہ میں کوئی عالم فوت ہو جائے تو اس کی کتابیں قرطبہ کی مارکیٹ میں فروخت کے لئے لائی جاتی ہیں اور اگر قرطبہ میں کوئی مغنی مر جائے تو اس کے آلات طرب اشبیلیہ کے بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں (۲۶)۔

اسلامی عہد میں اندلس میں تعلیم عام ہو گئی تھی۔ تعلیم کے مختلف درجات تھے۔ پرائمری سطح پر قرآن حکیم ، عربی زبان کے منتخب ادب پاروں ، خطوط نویسی ، انشا پردازی اور عربی گرائمر کی تعلیم دی جاتی تھی (۲۷)۔ اندلس کی ہر بڑی بستی میں کئی مدارس تھے جن میں ثانوی تعلیم کا انتظام تھا۔ صرف قرطبہ میں حکم ثانی نے ستائیس ایسے مدارس قائم کئے جن میں مفت تعلیم کا انتظام تھا (۲۸) قرطبہ ، اشبیلیہ ، ملاغہ ، سرقسطہ اور جیان میں اعلی تعلیم کی یونیورسٹیاں تھیں (۲۹) جہاں بالعموم بلامعاوضہ تعلیم دی جاتی تھی۔ اکثر اساتذہ کو حکومت کی طرف سے مشاہرے ملتے تھے اور نادار طلبہ کی ضروریات کی کفالت بھی حکومت کرتی تھی۔ ان جامعات میں حدیث ، تفسیر ، ادبیات تاریخ ، سائنس اور فلسفہ کے

علوم پڑھائے جاتے تھے (۳۰)۔ حکم ثانی کے عہد میں جامعہ قرطبہ کو جو عبدالرحمان الناصر کی بنائی ہوئی مسجد میں قائم کی گئی تھی دنیا کے تعلیمی اداروں میں نمایاں مقام حاصل ہو گیا تھا ۔ یہ جامعہ قاہرہ کی جامعۃ الازہر اور بغداد کی جامعہ نظامیہ دونوں سے شہرت میں سبقت لے گئی تھی ۔ یہاں نہ صرف اندلس کے مسلمان ، نصرانی اور یہودی طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے بلکہ یورپ ، ایشیا اور افریقہ سے بھی تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کے لئے یہاں آتے تھے (۳۱)۔

حکم ثانی کے عہد میں اندلس کا عام ثقافتی معیار اتنی بلندی پر پہنچ چکا تھا کہ ڈوزی لکھتا ہے ۔

,,سپین کے تقریباً ہر آدمی کو لکھنا پڑھنا آتا تھا اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب مسیحی یورپ بس علم کی مبادیات ھی جانتا تھا اور یہ مبادیات بھی بڑی حد تک گنتی کے اراکین کلیسا جانتے تھے " (۳۲)۔

جامعہ قرطبہ میں ابوبکر بن القوطیہ ، ابو علی القالی اور ابو ابراھیم الفقیہ ایسے جید علماء درس دیا کرتے تھے ۔ الحکم ثانی علماء کی کانفرنسیں منعقد کرایا کرتا اور خود ان کی صدارت کرتا تھا ۔ وہ علماء کا کتنا قدر دان تھا اس کا اندازہ المقری کے بیان کردہ درج ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے :

,,ایک مرتبہ فقیہ ابو ابراھیم کو الحکم ثانی نے بلا بھیجا وہ اس وقت جامعہ قرطبہ میں درس حدیث دے رھے تھے ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس وقت ایک کار خیر میں مصروف ھوں اس لئے نہیں آ سکتا ۔ خلیفہ نے دوبارہ خادم کو بھیجا اور یہ ھدایت کی کہ جونہی فارغ ھوں انھیں ساتھ لے آؤ ۔ انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں اس قدر کمزور ھوں کہ نہ تو

باب السدہ تک فاصلہ پیدل طے کر سکتا ہوں اور نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہوں خلیفہ نے ان کے لئے جامع مسجد اور شاہی محل کا اپنے لئے مختص درمیانی دروازہ باب الصناعۃ کھلوا دیا اور جب فقیہ درس حدیث سے فارغ ہو کر دربار میں تشریف لے گئے تو خلیفہ اور تمام اعیان مملکت نے انتہائی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا ،، (۳۳)

اندلس کے عوام و خواص علماء کو عزت و مکرمت کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ بالعموم مساجد کے ساتھ مدارس تھے جہاں علماء کو تنخواہیں دے کر تعلیم کے لئے مقرر کیا جاتا ۔ لوگ علم برائے علم کے قائل تھے نہ کہ علم برائے معاش (۳۴) ۔ تعلیمی میدان میں خواتین بھی مردوں سے پیچھے نہیں تھیں (۳۵) ۔

مشرق و مغرب کی اسلامی ریاستوں کے سیاسی اختلاف کے باوجود اندلس میں اسلامی حکومت قائم ہونے پر کئی ایک علماء مشرق سے ترک وطن کر کے سپین میں جا آباد ہوئے جن سے وہاں کے لوگوں نے علم حاصل کیا ۔ المقری نے بہتر نامور افراد کا ذکر کیا ہے جو مشرق سے آ کر اندلس میں آباد ہوئے ان میں ابو علی القالی ، یونس الحرانی ، خاندان بنوز ہر کا مورث اعلی زہر ، ابو العلا صاعد البغدادی ظفر بغدادی اور محمد بن موسی الرازی ایسے علماء شامل ہیں (۳۶) ۔ دوسری طرف اندلس سے علم کے متلاشی بلاد مشرق کے علماء سے فیض یاب ہونے کے لئے سرگرم سفر رہتے ۔ المقری نے نفح الطیب کا ایک ضخیم باب ان افراد کے لئے مختص کیا ہے جو علم و ادب کی تلاش میں بلاد مشرق کے سفر پر گئے اس نے تین سو پانچ افراد کا ذکر کیا ہے جن میں سے ہر ایک شخص علم کی کسی ایک یا متعدد شاخوں میں کمال کو پہنچا ہوا تھا (۳۷) ۔

الحکم ثانی کے بعد حقیقی اقتدار ابن ابی عامر المنصور (۹۷۶ ـ ۱۰۰۲ء) کے ہاتھ آیا جو بہترین منتظم اور علم دوست تھا لیکن اس نے اپنی ہوشیاری اور موقعہ شناسی کی وجہ سے اقتدار پر قبضہ کیا تھا اس لئے وہ اپنے اقتدار کو ہر شے سے عزیز رکھتا ۔ اسے احساس ہوا کہ اس کی فلسفہ پسندی اور علوم عقلیہ سے رغبت کو فقہاء مالکیہ جن کو عوام کی دینی اور روحانی قیادت کا منصب حاصل ہے اس کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں ۔ چنانچہ اس نے علماء کی خوشنودی حاصل کرنے اور عوام کے دل جیتنے کے لئے الاصیلی ، ابن ذکوان اور الزبیدی کو طلب کر کے حکم دیا کہ حکم ثانی کے کتب خانہ میں فلسفہ و ہیئت کی جس قدر کتابیں ایسی ہوں جن کا پڑھنا از روئے دین حرام ہو انہیں الگ کر دیا جائے ۔ جب کتابیں علیحدہ ہو گئیں تو ابن ابی عامر نے کچھ جلوا دیں اور کچھ گڑھا کھود کر دفن کر دیں ان حالات میں جس کسی کے پاس کوئی ایسی کتاب تھی اس نے چھپا دی اور علوم عقلیہ میں گفتگو روک دی اور کئی ایک علوم عقلیہ کے ماہر اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے جن میں عبدالرحمان بن اسماعیل بن زید جو اقلیدس الاندلس کے لقب سے مشہور تھا ترک وطن کر کے بلاد مشرق کی طرف چلا گیا (۳۸)۔

المنصور کی اولاد کے خلاف جب قرطبہ میں ہنگامہ بپا ہوا اور خلافت بنوامیہ لخت لخت ہوگئی تو اس فتنہ کی کوکھ سے تین بڑے گروہوں نے جنم لیا :

۱ ـ بربر : جو جنوبی اندلس پر قابض ہوگئے .

۲ ـ صقالبہ : جنہوں نے مشرقی اندلس پر قبضہ جما لیا ۔

۳ ـ اندلسی : جنہوں نے باقی ماندہ جزیرہ نمائے اندلس میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلیں ۔

ان ریاستوں میں سے چند ایک تو علمی وفکری تاریخ میں کسی باب کا اضافہ کئے بغیر اپنے فطری انجام کو پہنچ گئیں جب کہ کچھ دوسری ریاستوں میں علوم و آداب کے میدان میں مقابلہ و مسابقہ کی صورت پیدا ہو گئی ۔ طوائف الملوک کے عہد میں سیاسی انتشار کے باوجود علمی وفکری ترقی روز افزوں رہی جس کی متعدد وجوہات ہیں :

۱ ۔ عصر خلافت میں ہر شعبہ علم کے متعلق لکھی گئی قدیم و جدید کتب کا ذخیرہ جمع کر لیا گیا تھا اس لئے اب ان علوم میں مزید تحقیقات و اضافات کا دور شروع ہو گیا ۔

۲ ۔ قرطبہ کے دربار خلافت میں جو علماء جمع تھے وہ مختلف دار الحکومتوں میں پھیل گئے اور انہوں نے اپنے اپنے حلقے میں علمی کام تیز تر کر دیا ۔

۳ ۔ الحکم ثانی نے قرطبہ میں جو لائبریری قائم کی تھی اور اس کے علاوہ جو پبلک لائبریریاں تھیں ان کی کتب فسادات کے ایام میں اطراف واکناف مملکت میں بکھر گئیں اور مختلف دارالحکومتوں میں پہنچ گئیں جس کی وجہ سے علمی وفکری دائرہ وسیع ہوگیا (۳۹) ۔

۴ ۔ عصر الطوائف میں فقہاء کی گرفت کمزور پڑ گئی اور ملوک الطوائف نے آزادانہ غور وفکر ، سائنس اور فلسفہ اور بحوث ومناظرات کی حوصلہ افزائی کی ۔

ان اسباب کی وجہ سے ملوک الطوائف کے دور میں سیاسی انتشار کے باوجود علمی ترقی روز افزوں رہی ۔ قرطبہ میں بنوجہور کی حکومت تھی جہاں ابن الحزم القرطبی ، الحمیدی ، ابن حیان اور ابن الطلاع الفقیہ ایسے محققین نے جنم لیا ۔ غرناطہ پر طوائف بربر کا قبضہ تھا ۔ جو نسبتاً کم علمی ذوق رکھتے تھے اس کے باوجود وہاں

مشہور شاعر فلسفی اور ماہر فلکیات ابوالفتوح الجرجاجی اور فقیہہ ابو اسحاق الالبیری نے فروغ پایا ۔ المریہ میں احمد بن عباس کی حکومت تھی جو خود عالم اولا علماء کا قدردان تھا اس کے کتب خانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں ۔ احمد بن عباس کے جانشین بھی علوم و آداب کے سرپرست تھے ۔ ان کے دربار میں شعراء کا ہجوم رہتا تھا ۔ اندلس کا اولین جغرافیہ نگار ابو عبید البکری عصر الطوائف میں المریہ میں بام عروج کو پہنچا (۴۰) ۔ اشبیلیہ کے حکمران المعتضد اور المعتمد خود شاعر اور شاعروں کے قدر دان تھے (۴۱) ۔ بطلیوس کے بنو افطس میں سے مظفر بن افطس نے المظفری کے نام سے پچاس جلدوں میں ایک دائرہ معارف مدون کیا جس کا تمام مواد اس نے اپنی لائبریری سے حاصل کیا تھا (۴۲) ۔ طلیطلہ جہاں بنو ذوالنون کی حکومت تھی سائنسی علوم کی ترویج وترقی میں دیگر مراکز سے بازی لے گیا ۔ ماہر فلکیات الزرقالی ، فلسفی اور ریاضی دان سعید بن محمد البغونش ، نامور طبیب اور ماہر نباتات ابن الوافد ، محمد التمیمی ، ابو الولید الوقشی اور مؤرخین میں سے صاعد الطلیطلی اور الحجاری دربار طلیطلہ سے وابستہ تھے (۴۳) ۔ سرقسطہ کے بنو ہود فلسفہ ، ریاضیات اور فلکیات میں بذات خود شغف رکھتے تھے ۔ المقتدر سائنسی علوم کا جید عالم تھا اس کے بیٹے المؤتمن نے فلکیات پر ایک کتاب لکھی (۴۴) ۔ ابن باجہ ، ابن جبیرول اور الکرمانی سرقسطہ کے دربار سے منسلک تھے ۔ الکرمانی جب مشرق سے رسائل اخوان الصفاء لے کر اندلس گیا تو تو دربار سرقسطہ میں ان کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی (۴۵) ۔

اندلس میں المرابطون کے عہد کو ڈوزی نے علمی اعتبار سے بے ثمر عہد قرار دیا ہے اور عبدالواحد المراکشی کا بیان جو صرف علی

بن یوسف بن تاشفین کے عہد سے متعلق تھا (۴۶)۔ عام کرکے پورے مرابطی دور کو جہالت اور مذہبی تعصب کے عہد سے موسوم کر دیا(۴۷)۔ جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ علمی و ادبی ترقی جو عصر الطوائف میں جاری تھی بدستور آگے بڑھتی رہی ۔ قرطبہ، مرسیہ، المریہ، دانیہ، اشبیلیہ، بلنسیہ، طرطوشہ، غرناطہ، بطلیوس، شاطبہ، سرقسطہ اور شلب میں تعلیمی ادارے قائم تھے ۔ تاریخ میں ابن بشکوال اور ابن الضبی، جغرافیہ میں ابوحامد الغرناطی اور شریف الادریسی ، فلسفہ میں ابن باجہ، ریاضیات میں ابن مسعود ، ابن سہل الضریر اور جابر بن افلح ، طب میں ابو الصلت امیہ بن عبدالعزیز، سفیان الاندلسی اور خاندان بنوزہر کے ابومروان اور ابوالعلاء، عصر مرابطین کے نامور علماء میں شمار ہوتے ہیں (۴۸) ۔

اندلس کی زمام اقتدار جب الموحدون کے ہاتھ آئی تو علمی وفکری میدانوں میں ترقی کی رفتار تیز ہوگئی ۔ موحد فرماں روا علماء کے قدر دان اور علم و ادب کے سرپرست تھے ۔ اس دور میں صرف قرطبہ میں آٹھ سو تعلیمی ادارے ایسے تھے جن میں ثانوی اور اعلی تعلیم کا انتظام تھا ان درسگاہوں میں دس ہزار سے زائد طلبہ علوم اسلامیہ ، ادبیات اور سائنس کی تعلیم حاصل کرتے تھے (۴۹) ۔ اس دور میں تاریخ میں ابن الابار ، جغرافیہ میں ابن جبیر ، فلکیات میں البطروجی طب میں بنو زہر اور نباتات میں ابن البیطار نامور علماء گزرے ہیں (۵۰) ۔ اسی دور میں فلسفہ کے دو باقاعدہ فکری مدارس وجود میں آگئے ایک ارسطی مدرسہ جس کے نمائندہ ابن باجی ، ابن طفیل اور ابن رشد تھے اور دوسرا افلاطونی مدرسہ جس کے سب سے بڑے نمائندہ محی الدین ابن العربی تھے ۔

بارھویں صدی میلادی کے نصف میں جزیرہ نمائے اندلس میں مسلمانوں کی حکومت سمٹ کر صرف غرناطہ تک محدود ہو گئی تھی۔

مملکت غرناطہ نے انتہائی نامساعد حالات میں اڑھائی سو سال تک نہ صرف اپنا وجود برقرار رکھا بلکہ علمی ترقی میں بھی خاطرخواہ حصہ لیا ۔ بنونصر کے ساتویں حکمران یوسف ابوالحجاج (۱۳۳۳ ۔ ۱۳۵۴) نے غرناطہ یونیورسٹی کی بنیاد رکھی ۔ لسان الدین ابن الخطیب اس فرمان روا کا وزیر تھا ۔ ایک سو بیس ایسے عالم ، ادیب ، مؤرخ ، محدث اور سائنس دان تھے جن کے طفیل غرناطہ یونیورسٹی اپنے زمانے میں بے عدیل مانی جاتی تھی ۔ اس کے علاوہ غرناطہ میں ستر عام کتب خانے ، سترہ کالج اور دو سو ابتدائی مدارس تھے (۵۱) ۔ مشہور ماہر عمرانیات علامہ ابن خلدون نامور سیاح رزین بن معاویہ العبدری ، ابو عبداللہ محمد بن عمر ابن رشید اور ریاضی دان ابن البناء جس کی کتاب التلخیص فی اعمال الحساب آج تک جامعہ فاس میں شامل نصاب ہے اور ابوبکر محمد ابن احمد الرقوطی جسے الفونسو العاشر نے مرسیہ کے مدرسہ میں شعبہ ریاضی کا عمید مقرر کیا تھا اس عہد کے مشہور علماء میں شامل ہیں (۵۲) ۔

اندلس کے مسلمانوں کی علمی وثقافتی سرگرمیاں صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ مستعربین نے بھی اس زلال صافی سے اپنے اپنے جام بھرے ۔ بارھویں صدی میلادی سے مغرب کا ہر وہ شخص جسے علوم سے ذرا بھی لگاؤ ہوتا اور اکتساب علوم کی خواہش رکھتا تو مشرق کا رخ کرتا یا اسلامی مغرب کا ۔ اس زمانے میں عربوں کی کتابوں کے تراجم شروع ہوئے ۔ سپین کے مسیحی حکمرانوں نے عرب فرماں رواؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے درباروں کو علماء و فضلاء سے رونق دینے ، کتب جمع کرنے اور علمی و سائنسی اکتشافات کی سرپرستی کرنے کا طریق کار اختیار کیا ۔

تاریخی عمل کا تسلسل جاری رہا نتیجۃً معلمان انسانیت جہالت کے اندھیروں میں ڈوب گئے اور علم کا سورج کسی اور سرزمین کو منور کرنے لگ گیا۔

مآخذ و مصادر

۱۔ صاعد الاندلسی، طبقات الامم ، مطبعۃ السعادۃ ، القاہرہ ، ص ۹۷

۲۔ الدومیلی ، العلم عندالعرب واثرہ فی تطور العلم العالمی (ترجمہ عبدالحلیم النجارو محمد یوسف موسیٰ) دار القلم القاہرہ ، ۱۹۶۲ء ، ص ۳۳۵۔

۳۔ المقری ، احمد بن محمد ، نفح الطیب فی غصن الاندلس الرطیب ، طبع ڈوزی ۱۸۵۵ ، ۲ : ۱۷۔ ۳۸

۴۔ ابن العذاری المراکشی ، البیان المغرب فی اخبار الاندلس والمغرب ، نشر و تحقیق :) ج ۔ س کولان ولیفی پروفنسال ، لیڈن ۱۹۴۸ء ۲ : ۱۱۰

آنخل گنثالث پالنثیا ، تاریخ الفکر الاندلسی (ترجمہ حسین مونس) مکتبہ النہضۃ المصریۃ القاہرہ ۱۹۵۵ء ، ص ۳ ۔ ۵

۵۔ Levi Provencal Historie de L'Espagne Musulmane, Paris 1950-3 pp. 64, 85.

۶۔ الرزکلی ، خیرالدین ، الاعلام ، بیروت ، ۷ : ۹۶

۷۔ الحمیدی ، محمد بن فتوح ، جذوۃ المقتبس فی ذکرولاۃ الاندلس ، مکتب نشر الثقافہ الاسلامیۃ القاہرہ ۱۹۵۲ء ص ۵۸ ۔ ۹ ، ابن ابی اصیبعہ ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء ، دارالحیاۃ بیروت ۱۹۶۵ء ، ص ۴۸۸ صاعد ، ۱۰۵ ، ۱۲۱ ، المقری ، ۲ : ۹۳ ، ۱۲۳ ، فکر اندلسی ، ۸

۸۔ ابن ابی اصیبعہ ، ۴۹۳ ۔ ۴ ، فواد سیّد ، تعلیقات علی طبقات الاطباء والحکماء لابن جلجل المعہد العلمی الفرنسی القاہرہ ۱۹۵۵ء ، ص ۲۲

۹۔ ابن الفرضی ، تاریخ علماء الاندلس ، مکتب نشر الثقافۃ الاسلامیۃ القاہرہ ۱۹۵۴ء ، رقم ۱۳۱۶

۱۰۔ المقری ، ۲ : ۲۵۶

۱۱۔ ابن الابار ، محمد بن عبداللہ ، الحلۃ السیراء ، الشرکۃ العربیۃ القاہرہ ۱۹۶۳ء ، ۱ : ۲۰۱

۱۲۔ الحلۃ السیراء ، ۱ : ۲۰۱ ، خولیان ریبرا ، اسلامی اندلس میں کتب خانے اور شائقین کتب و ترجمہ : احمد خان) ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۷۴ء ، ص ۱۵

۱۳۔ ابن الابار ، التکملۃ لکتاب الصلۃ ، نشر الثقافۃ الاسلامیۃ القاہرہ ۱۹۵۶ء ۱ : ۱۰۶ الضبی احمد بن عمیرہ ، بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال اھل الاندلس ، طبع کودیرا و ریبرا ، ۱۸۸۴ ، ص ۶۱

١۴ ـ الحلة السيراء ١ : ٢٠٢ ، التكمله لكتاب الصلة ، ١ : ٣۴۷ ، المقرى ، ٢ : ٦۷ ، الفرضى ، ١ : ٣٣٣

١٥ ـ المقرى ١ : ٢٥٠ ، الحلة السيراء ١ : ٢٠١ ـ ٣

١٦ ـ ایضاً

١۷ ـ S. Imam Din, A Political History of Muslim Spain, Dacca 1961, p. 179.

١٨ ـ گستاؤلیبان ، تمدن عرب (ترجمه علی بلگرامی) ، مقبول اکیڈمی لاہور ، ص ٣٩٩

١٩ ـ خولیان ریبرا ، ٢٠

٢٠ ـ المقرى ، ١ : ٢٥٦ ، الحلة السيراء ، ١ : ٢٠٢

٢١ ـ نقل نویسی کا مشغله اس قدر عام تها که عورتیں بهی کتابیں لکهتیں جنہیں وراقین کے ہاں فروخت کر دیتی تهیں ـ المراکشی (المعجب فی تلخیص اخبار المغرب ، المطبعة الاستقامة القاهره ١٩۴٩ء ، ص ٢۷٢ ، لکهتا ہے که قرطبه کے صرف شرقی حصه میں ١۷٠ خواتین ایسی تهیں جو قرآن حکیم خط کوفی میں لکها کرتی تهیں ـ

٢٢ ـ Mc Cabe, Splendour of Moorish in Spain, London 1935 p. 81.

٢٣ ـ ابن بشکوال ، خلف بن عبدالملک ، الصلة فی تاریخ ائمة الاندلس ، مکتب نشر الثقافة الاسلامية القاهره ١٩٥٥ء ١ : ٢٩۷ ـ ٣٠٠ ، ٢ : ٦٥۴ ـ ٥

٢۴ ـ ریبرا ، ٢٢ ـ ٢۴

٢٥ ـ المقرى ، ١ : ٣٠٢

٢٦ ـ ایضاً

٢۷ ـ Cambridge Medieval History, London 1942 III: 434

٢٨ ـ Dozy, spainish Islam (English Translation) London 1931, 455.

٢٩ ـ Ameer Ali, A short History of the Saracens London 1955 p. 577

٣٠ ـ Mc Cabe. p. 190.

٣١ ـ Hitti, P.K. History of the Arabs, Edinburgh 1968 p. 530.

٣٢ ـ Spainish Islam, p. 455.

٣٣ ـ المقرى ، ١ : ٢۴٣ ـ ٥

٣۴ ـ ایضاً ، ١ : ١٣٦ ، ٢۴٣ ـ ٥ ، ٢ : ٣٨ ـ ٥١

٣٥ ـ المقرى نے نفح الطيب کا ایک مکمل باب (٢ : ٥٣٦ ـ ٦٣٩) خواتین کی علمی و ادبی سرگرمیوں کے لئے وقف کیا ہے ـ

٣٦ ـ ایضاً ٢ : ٢ ـ ١٠٣

٣۷ ـ ١ : ٣٦٣ ـ ٩٣٣

٣٨ ـ ایضاً ، ١ : ١٣٦ ، صاعد ، ١٠٢ ـ ٣ ـ

۳۹ ـ صاعد ، ۱۰۴

۴۰ ـ فکر اندلسی ، ۱۷

۴۱ ـ Spainish Islam, 660-70

۴۲ ـ المقری ۲ : ۲۵۸

۴۳ ـ فکر اندلسی ، ۱۶

۴۴ ـ (Introduction to the History of Science, Washington 1950 1; 759).

یہ کتاب ضائع ہو گئی اور سارٹن نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا کہ ایک بادشاہ کی تصنیف کیسے ضائع ہو گئی ۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جس التزام سے اندلس میں مسلمانوں اور ان کے آثار کو مٹایا گیا ہے اسے دیکھ کر حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ کچھ کتابیں باقی کیسے بچی رہیں ۔

۴۵ ـ ابن القفطی ، تاریخ الحکماء ، لیپزنگ ۱۹۰۳ء ، ۲۴۳ ، ۴۰۶ .

۴۶ ـ عبدالواحد المراکشی ، ۱۷۲ ـ ۳

۴۷ ـ Spainish Islam, p. 720.

۴۸ ـ حسن محمود ، قیام دولة المرابطین ، مکتبه النهضة المصریة ، القاهره ۱۹۵۷ء ، ۳۳۲ ـ ۷

۴۹ ـ Mc Cabe, 190.

۵۰ ـ محمد المنونی ، العلوم والآداب والفنون علی عهد المؤحدین ، ص ۹۷ ـ ۱۳۳

۵۱ ـ Ameer Ali, 569-70.

۵۲ ـ تاریخ الفکر الاندلسی ، ۲۴ ـ ۲۵

★★★

لوحة زخرفية بخط ديواني مشكول بحركات ، تقليـــداً للديواني جلي على هيئة هـــلال ونجمة ونصها : بسملة في النجمة ، وكلمات الشهادة ، « لا اله الا الله محمد رسول الله » في الهلال .

اندلس میں مسلم فن تعمیر

عبدالرحیم اشرف بلوچ

اندلس میں مسلم فن تعمیر پر کچھ لکھنے سے پہلے اسلامی طرز تعمیر کی ان بنیادی اور امتیازی خصوصیات کا جائزہ لینا ضروری ہے جو اس کا سرمایۂ افتخار ہیں ۔ اس مقصد کے لئے ہم اس جائزے کی ابتداء آغاز اسلام ہی سے کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے طرز تعمیر میں جو تدریجی ترقی ہوئی ہے اور انہوں نے دوسری اقوام سے فن تعمیر میں جو کچھ سیکھا ہے یا اپنی طرف سے اس میں جو جدتیں پیدا کی ہیں ان کا ایک اجمالی خاکہ ہمارے سامنے آ جائے ۔

ظہور اسلام کے وقت عرب میں آبادی کی اکثریت خانہ بدوش تھی اور ایک محدود تعداد ہی ایسی تھی جو کسی ایک مقام پر گھر بنا کر مستقل سکونت رکھتی تھی ۔ ان گھروں کی حیثیت بھی کچی کوٹھڑیوں سے زیادہ کچھ نہ تھی ۔ جو لوگ ان میں رہتے تھے انہیں ,,اھل المدر،، (گارے والے) کہتے تھے جبکہ بدوی خانہ بدوش ,, اھل الوبر،، (پشم والے) کہلاتے تھے ۔ کیونکہ وہ اونٹوں کے بالوں سے بنائے گئے خیموں میں رہتے تھے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت مکہ معظمہ میں بیت اللہ قریب قریب مستطیل شکل کے صرف ایک چھوٹے سے احاطے پر مشتمل تھا جس پر چھت تک نہ تھی ۔ اس کی چار دیواری قد آدم سے کسی قدر اونچی تھی اور ان گھڑ پتھر چن کر

بنائی گئی تھی ۔ ۶۰۸ء میں ایک سیلاب کے نتیجے میں کعبہ کی عمارت منہدم ہو گئی تھی لہذا قریش نے اسے ازسر نو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اس وقت رسول اللہ کی عمر ۳۵ برس کی تھی ۔ قریش نے ایک شکستہ بحری جہاز کی لکڑی حاصل کی اور اسی جہاز کے ایک نجّار باقوم کو جس کا تعلق حبشہ سے تھا اور جو معمار بھی تھا، تعمیر کعبہ پر مامور کیا ۔ اس نے حبشہ میں مروج طرز تعمیر کے مطابق فرش سے لے کر چھت تک ایک ردّا پتھروں کا اور ایک ردّا لکڑی کا رکھ کر اس عمارت کو مکمل کیا ۔ اس میں کل سولہ ردّے پتھروں کے اور پندرہ ردّے لکڑی کے تھے ۔ دروازہ جو اس سے پیشتر بالکل زمین کے ساتھ ملا ہوا تھا اس کی چوکھٹ زمین سے چار ہاتھ اور ایک بالشت اونچی رکھی گئی ۔ چھت چھ ستونوں پر قائم کی گئی جو تین تین کی دو قطاروں میں تھے ۔ اس عمارت کی پوری بلندی اٹھارہ ہاتھ تھی ۔ چھت ، دیواروں اور ستونوں پر انبیاء ، درختوں اور فرشتوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں (۱) ۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو آپ نے اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لئے جو مکان تعمیر کیا اس کا احاطہ کچی اینٹوں سے بنایا گیا تھا جس کے جنوبی ضلع میں ایک ڈیوڑھی کھجور کے تنوں سے تعمیر کی گئی تھی ۔ یہ تنے کھجور ھی کے پتوں اور گارے سے بنائی ہوئی چھت کے لئے ستونوں کا کام دیتے تھے ۔ مشرقی دیوار کے بیرونی رخ سے ملا کر ازواج مطہرات کے لئے چھوٹے چھوٹے حجرے بنائے گئے تھے جو سب کے سب صحن خانہ میں کھلتے تھے (۲) ۔ مدینہ منورہ میں تاجدار کونین کے گھر کی یہ حالت تھی جسے آپ بدلنے کے لئے تیار نہ تھے ۔ کیونکہ آپ کو شاندار مکانات تعمیر کرنے کا کوئی شوق نہ تھا ۔

اسلام کی آمد سے پہلے عمارتوں کی آرائش مورتیوں اور جانوروں کی تصویروں سے کی جاتی تھی ۔ جب عیسائی مذہب کی اشاعت ہوئی تو عبادت گاھوں کے در و دیوار کو حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم علیھا السلام کی تصاویر سے بھی سجایا جانے لگا ۔ شارع اسلام علیہ الصلوۃ والسلام ، نے مسلمانوں کو بت گری وبت پرستی کے شائبے سے دور رکھنے کے لئے مجسمہ سازی اور جانداروں کی تصویر کشی کی سختی سے ممانعت کر دی ۔ آپ نے اصنام وتماثیل کو مٹانے پر اس قدر زور دیا کہ آئندہ کے لئے مسلمانوں کا اصنام پرستی یا تمثیل سازی کی طرف مائل ہونا ناممکن تھا ۔ پیغمبر اسلام کا یہ ارشاد کہ جس گھر میں تصویریں ہونگی وھاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوں گے (۳) یا آپ کا یہ فرمانا کہ قیامت کے دن تصاویر بنانے والوں سے کہا جائے گا کہ وہ ان میں جان ڈال دیں یا پھر شدید ترین عذاب کے لئے تیار ہو جائیں (۴) ، اس بات کے لئے کافی تھا کہ مسلمان اپنے گھروں میں بھی اس قسم کی چیزیں نہ بنائیں چہ جائیکہ وہ اپنی عبادت کے لئے مخصوص مقدس ترین مقامات یعنی مساجد کی آرائش و زیبائش کے لئے ان کے درودیوار پر ایسی چیزیں بناتے جو عقیدہ توحید کے منافی اور شرک و بت پرستی کی ایک واضح علامت رہے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ گو مسلمانوں نے فن تعمیر میں بڑی ترقی کی ، بت تراشی یا تصویر کشی کی کوئی بھی جھلک ان کی عمارتوں میں نظر نہیں آتی ۔ نہ تو انھوں نے ایسے ستون تراشے جو مورتیوں کے شکل پر ہوں اور نہ ھی دیواروں کو تصاویر سے آراستہ کیا ۔ اس کی جگہ خطّاطی نے لے لی جو خالص اسلامی فن ہے اور جسے مسلمانوں نے تصویر سے بڑھ کر دل کش و دل آویز بنا دیا ۔

جب عربوں کا مختلف قوموں سے میل جول بڑھا تو ان کی عمارتوں نے بھی ان کے ذھنوں کو متأثر کیا اور مختلف زمانوں میں اسلامی طرز تعمیر نے مختلف شکلیں اختیار کیں ۔ لیکن جغرافیائی اختلافات کے باوجود اسلامی طرز تعمیر میں ایک تسلسل پایا جاتا ہے جو ان کے عقیدہ وحدانیت کانتیجہ ہے۔ اس پر زمانوں اور جغرافیائی فاصلوں تک نے کوئی اثر مرتب نہیں کیا ۔ باوجودیکہ اسلام کے دائرہ میں مختلف ثقافتوں اور معاشروں کے لوگ وقتاً فوقتاً داخل ہوتے رہے مگر اسلام کے اس بنیادی عقیدہ نے انھیں ایک ھی فکر سے وابستہ کر دیا جس کے سامنے قومی اور نسلی اختلافات بے معنی ہو کر رہ گئے ۔

اسلامی تعمیرات کو بنیادی طور پر ہم دو طرح کی عمارتوں میں تقسیم کر سکتے ھیں :۔

اول مذھبی عمارتیں : اس قسم میں ہم مساجد ، مدارس ، خانقاھوں اور (اپنے طرز تعمیر کی بناء پر نہ کہ مقصد کے اشتراک کی وجہ سے) بزرگان دین کے مقابر کو شامل کر سکتے ھیں ۔

دوم محل یا قصر : اس قسم میں قلعوں، شاھی محلات و قصور ، شاھی باغات ، حمام ، پل ، سرائے اور اس طرز کی تعمیر کردہ دیگر عمارتیں شامل کی جا سکتی ھیں ۔

مساجد کی تعمیر کے پیچھے جو مقاصد کار فرما ہوتے ھیں ان میں خدا کی وحدانیت اور بندوں کی طرف سے عاجزی وانکساری اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار بنیادی اور مرکزی حیثیت رکھتے ھیں۔ اسلام کا سب سے پہلا عبادت خانہ کعبہ ہے۔ روایات کے مطابق آدم علیہ السلام اس کے اولین معمار تھے ۔ بعد ازاں حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اسے ازسر نو تعمیر کیا ۔ آج کا کعبہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی قائم کردہ بنیادوں پر ایستادہ ہے۔ کعبہ کی سادگی اسے

فطرت سے ہم آھنگ کرتی ہے۔ اس کی اسی سادگی اور فطرت سے ہم آھنگی پر فن تعمیر کی تمام تر خوبیاں اور باریکیاں قربان ھیں۔ کعبہ کی یہ خوبی عالم اسلام کی تمام مساجد میں کسی نہ کسی طرح جھلکتی نظر آتی ہے۔

مساجد کی تعمیر میں کمال سادگی کے باوجود آرائش میں حسن آفرینی اپنی انتہا کو چھوتی نظر آتی ہے۔ مسجد کے نمایاں حصوں میں محراب و منبر، گنبد اور میناروں کو سب سے زیادہ ممتاز مقام حاصل ہے۔ زیادہ تر تعمیراتی اور آرائشی خوبیوں کے لئے توجہ کے مرکز یہی تینوں حصے رہے ھیں (۵)۔

اسلامی تعمیرات کی خصوصیات :

مسلمانوں کے فن تعمیر کے ابتدائی ادوار کی عمارتیں بالعموم کلیۃً ارضی ھیں۔ ان کی تعمیر عمودی نہیں بلکہ افقی ہے۔ یعنی ارتفاع سے زیادہ ان میں پھیلاؤ نظر آتا ہے۔ مختلف زمانوں میں عمارتوں کی ساخت طولاً یا عرضاً تو پھیلتی گئی مگر بلندی کی طرف ان کا رجحان کبھی نہیں ہوا۔ محل ہو یا مسجد اس میں کشادگی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ برج اور گنبد بھی اونچے نہ ہوتے تھے۔ نیز بلند میناروں کا بھی رواج نہ تھا۔ قدیم اسلامی آبادیوں میں اونچے اونچے مینار اور قبے تو نظر ھی نہیں آتے تھے۔ اگر کہیں تھے بھی تو ان کے ارد گرد چھوٹی چھوٹی برجیاں بناکر ان کی بلندی کو ان میں سمو دیا جاتا اور گنبد کے اندر تہ در تہ طاقچے بنا کر سپاٹ بلندی کو شکستہ کر دیا جاتا تھا۔

مسلم عمارتوں کی تعمیر میں بعض اوقات کاریگروں کو فنی تقاضے بھی نظر انداز کر دینے پڑتے تھے اور ان کی جگہ خوش نمائی لے لیتی تھی۔ تعمیری آرائش کا مقصد یہ تھا کہ سادہ اور مزین

حصوں کا فرق نمایاں نہ ہو ۔ نقش و نگار واضح ہوں مگر کوئی ایک مرکزی خیال (Motif) ان پر حاوی نہ ہو ۔ ستونوں اور محرابوں سے عمارت کو پر کر دیا جاتا تھا تاکہ مجموعی اثر خوشگوار ہو اور کوئی خاص حصہ نمایاں نہ ہو ۔ عمارت کا ہر حصہ ایک خاص مقصد سے بنایا جاتا تھا اور بلا ضرورت کسی آرائشی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاتا تھا ۔ بالخصوص مسجد کے ہر حصے کی آرائش سے کوئی نہ کوئی غرض وابستہ ہوتی تھی (٦) ۔

اسلامی تعمیرات کی درج ذیل خصوصیات ایسی ہیں جو ہمیں تقریباً ہر عمارت میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں : ترتیب ، کشادگی ، ڈھانچہ ، ساخت ، نقش و نگار ، روشنی اور نقل و حرکت میں سہولت ۔ ذیل میں ہم ہر ایک کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں ۔

ترتیب :

کائناتی ترتیب ، جو خدا کی وحدانیت کا مظہر ہے ، کا حصول مسلم فن کاروں کے لئے ہمیشہ سے بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے ۔ اسلام میں دانش ور طبقے کی زبان ریاضی کی بنیادوں پر استوار رہی ہے جو الٰہیاتی ترتیب کا نمائندہ ہے ۔ کیونکہ انسان اور فطرت دونوں کا خالق اللہ ہے ۔ جبکہ ریاضی دونوں کی بناوٹ اور کائنات میں ان کے تناسب کی وضاحت کرتی ہے ۔ انسان اور فطرت دونوں کی بنائی ہوئی شکلیں ایک ہی مشترک ریاضیاتی اصول کی غماز ہیں ۔ ترتیب کے حصول کے لئے دانستہ یا نادانستہ طور پر مسلم فن کاروں نے جیومیٹری کے بنیادی اصولوں کو اپنے مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا ۔ یہ چیز ہمیں ان کے تمام شہہ پاروں میں کارفرما نظر آتی ہے ۔

کشادگی :

ایک سچے مسلمان کی نظر کائنات کی لامحدود وسعتوں پر ہوتی ہے لہذا وسعت و کشادگی ان کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل ہوتی

ہے۔ اس وسعت نے کائنات کی ہر چیز کو اپنے دامن میں لیا ہوا ہے خواہ وہ مادی ہو یا غیر مادی اور روحانی۔ لیکن مسلمانوں کے ہاں کشادگی صرف صوفیانہ نقطہ نظر ہی کی نمائندہ نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ محض ایک علامتی عامل نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے مادی اور غیر مادی دونوں طرح کے افکار کارفرما ہیں۔ اس طرح کشادگی اسلامی فن تعمیر میں ایک اہم ورثہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ڈھانچـــہ :

اسلامی تعمیرات کے ڈھانچہ اور ہیکل پر مقامی تہذیب وثقافت کا اثر نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بناوٹ اور شکل وصورت پر وہاں کی آب و ہوا، زمین کی ساخت اور قطعہ زمین کا رقبہ بھی اہم اثرات مرتب کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود بناوٹ کے اعتبار سے اسلامی تعمیرات بعض ایسی امتیازی خصوصیات کی حامل ہیں جو ہمیں صرف انہی کے ہاں نظر آتی ہیں۔

ساخت :

ساخت یا سطح کی تعمیر میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ اس میں ایک خاص ترتیب ہو جو جیومیٹری کے اصولوں پر پوری اترتی ہو۔ اس میں بعض اوقات ایسی ترتیب رکھی جاتی تھی کہ اس میں روحانی خصوصیات اجاگر ہوتی نظر آتی ہیں جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں اسے ذرا وضاحت سے بیان کر آئے ہیں۔

نقش و نـگار :

مسلمانوں کے نزدیک دنیا کی خوبصورتی بالکل عارضی شئی ہے۔ چونکہ لوگوں اور جانوروں کی حقیقی تصویر کشی مسلمانوں کے لئے ممنوع ٹھہرائی گئی تھی اور بت پرستی سے مشابہت کے خطرے کے پیش نظر اسے قابل نفرین سمجھا جاتا تھا لہذا فنکارانہ تخلیقی

صلاحیتوں نے تجریدی رخ اختیار کیا اور اس کے لئے پھر ھندسی اشکال اور خطّاطی ھی نے نقش ونگار کو نئے زاویے فراھم کئے اور یوں یہ فن اپنے عروج کو پہنچا ۔

اسلامی نقش ونگار اپنی سادگی ، وسعت اور خوبیوں کی وجہ سے کائنات کو ایک وحدت کے طور پر پیش کرتے ھیں اور یوں انسان کو اس عظیم تر کائنات کا ایک حصہ بناکر پیش کرتے ھیں ۔ عربوں کی ریاضیاتی صلاحیتوں نے نقش ونگار میں نئی جہتوں کی تلاش میں بڑی مدد دی اور یوں نقش ونگار کے ایسے نمونے وجود میں آئے جو ھمہ پہلو خوبیوں کے حامل ھیں ۔

روشنی :

مسلمانوں کے نزدیک روشنی کو ایک اھم مقام حاصل ہے۔ ایمان و ھدایت اس روشنی کی مرھون منت ھیں جو نہ صرف خدا کی سب سے اعلیٰ ترین تخلیق ہے بلکہ وہ خود بھی زمین اور آسمانوں کا نور ہے ۔ روشنی کے برعکس تاریکی اور ظلمت ان کے ھاں برائی کی علامت کے طور پر دیکھی جاتی ہے ۔ لہذا مسلمانوں کی تعمیر کردہ عمارتیں نہایت روشن ھوتی تھیں ۔ اس مقصد کے لئے ان کی تعمیرات میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ روشنی کا حصول سہل اور آسان ھو اور عمارت کا کوئی کونہ یا گوشہ ایسا نہ ھو جہاں قدرتی روشنی نہ پہنچتی ھو ۔ اس کے لئے وہ جابجا جالی دار دیواریں تعمیر کرتے جن سے روشنی چھن چھن کر عمارت کے ھر حصے کو روشن کرتی البتہ دھوپ کا گزر نہ ھوتا ۔ یہ جالیاں عموماً سنگ مرمر کو ھندسی اشکال میں تراش کر بنائی جاتی تھیں ۔ بعض اوقات اینٹوں کی جالیاں بھی بنائی جاتیں ۔

نقل و حرکت :

مسلمانوں کی عمارات میں اس بات کا بھی بطور خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ ان میں آمدورفت میں کوئی دقت یا رکاوٹ نہ ہو۔ عمارت کا ہر حصہ اور ہر گوشہ قابل رسائی ہو اور وہاں پر بآسانی پہنچا جا سکے (۷)۔

ہندسی اشکال کا استعمال :

اسلامی تعمیرات میں خواہ عمارت کا ڈھانچہ اور ہیکل ہو یا درودیوار کی آرائش و زیبائش ہندسی اشکال (Geometrical designs) اور نباتاتی تصویر کشی کو اساسی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ اسلام میں بت تراشی اور تصویر کشی کی ممانعت کی وجہ سے مسلمان ماہرین فن تعمیر کی یہ مجبوری تھی کہ وہ ہندسی اشکال ، خطاطی یا زیادہ سے زیادہ نباتات کی تصویر کشی پر اکتفا کریں ۔ ان ہندسی اشکال کی بنیاد دراصل وہ چند سادہ ترین شکلیں ہیں جنھیں ہم مربع ، مستطیل، دائرہ ، تکون یا مثلث اور کثیر الاضلاع کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں ۔ عمارات کے ہیکل اور بناوٹ میں ہندسی اشکال کے استعمال کی سب سے عمدہ مثال مُقَرْنَسْ (Honeycomb or Stalactite) چھتوں والے طاقچوں، محرابوں اور قبوں کی تعمیر ہے جسے خالص اسلامی طرز تعمیر مانا جاتا ہے ، جبکہ آرائشی مقاصد کے لئے ہندسی اشکال ہمیں خطاطی اور نقش ونگار (Pattern) میں جلوہ گر نظر آتی ہیں ۔

ہندسی اشکال کی اساس پر بنائے گئے یہ نقش ونگار اپنی لامحدودیت میں اسلام کے اس بنیادی عقیدے کو اجاگر کرتے ہیں کہ خدا واحد اور ناقابل تقسیم ہے۔ ان نقش ونگار کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بار بار دھرائے جا سکتے کی وجہ سے نہ ختم ہونے والے ایسے

متعدد الجهت (Polygon) هندسی اشکال میں ڈھلتے چلے جاتے ھیں جن کا کوئی مرکز نہیں ھوتا ۔ گویا ھر حصہ اور ھر جزو اگر ایک طرف خود ایک طرح کی مرکزیت کا حامل ھوتا ہے تو دوسری طرف وہ اپنی تمام ممکنہ جہات سے مربوط و متصل دیگر اجزاء اور حصوں کی تکمیل کا لازمی جزو بھی ھوتا ہے۔ یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ خدا ایک ہے، وہ کسی ایک مرکز کی بجائے ھر جگہ موجود ہے اور اس کا دائرہ اختیار واقتدار اس کے علم کی طرح ھر مقام پر یکساں ہے۔

یہ نقش ونگار باوجودیکہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر ھوتے چلے جاتے ھیں مگر نہ تو کہیں مرتکز ھوتے ھیں اور نہ ھی وہ کسی شخصیت کے روپ میں ڈھلتے نظر آتے ھیں بلکہ تمام تر خوبیوں کے باوجود غیر شخصی اور نامعلوم رھتے ھیں ۔ مسلمان فن کار کی یہی خوبی ہے کہ وہ اپنے فن میں عاجزی کے اظہار کے باوجود ایک نہایت ھی اعلیٰ پائے کا خوبصورت فن پارہ تخلیق کر دیتا ہے۔

نقش ونگار کے فن کا بغور جائزہ لیں تو ان میں موجود ھندسی اشکال قلموں (Crystals) کی شکل یا اس جوھری ساخت (Atomic Structure) کی شکل اختیار کرتے ھوئے نظر آتے ھیں جو کہیں اب جاکر دریافت ھوئی ہے۔ اس طرح یہ اشکال پیمائش سے ماورا ھونے کی وجہ سے ناپائیداری کا ایک تاثر پیدا کرتی ھیں ۔ اس کے نتیجہ میں جس سطح پر انھیں ظاھر کیا جاتا ہے وہ خود مادی ھونے کے باوجود غیر مادی تاثر دینے لگتی ہے۔ یوں اسلام کا یہ تصور کہ مادے کو بالآخر فنا ھونا ہے، نمایاں ھوکر سامنے آ جاتا ہے۔

ان ھندسی اشکال نے نقش ونگار میں جو گونا گوں خوبیاں پیدا کی ھیں وہ ھمیں خطاطی میں واضح طور پر جلوہ گر نظر آتی ھیں ۔ مساجد ھوں یا مدارس، خانقاھیں ھوں یا مقابر حتیٰ کہ محلات اور

دیگر عمارتوں کے در و دیوار پر خطاطی کے جو خوبصورت فن پارے ہمیں جگہ جگہ داد و تحسین پر مجبور کرتے ہیں وہ دراصل انھی ہندسی اشکال کے مرھون منت ہیں ۔ مسلمانوں کی تعمیر کردہ شاید ھی کوئی ایسی عمارت ہو جس پر قرآنی آیات، احادیث ، دعائیں یا عربی و فارسی کے دیگر زبان زد عام کلمات یا اشعار تحریر نہ ہوں ۔ یہ عبارتیں خوبصورت بیل بوٹوں کے حاشیوں سے مزین مربع،مستطیل ، دائرہ اور مثلث چوکھٹوں میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ خوشنما رنگوں سے تحریر کی جاتی تھیں ۔ ہندسی اشکال کی پیروی میں بعض اوقات عبارت میں فنی اعتبار سے بعض اغلاط بھی رہ جاتی تھیں مگر ھنر مندوں کی کاریگری کی چکاچوند میں ان کی طرف شاید ھی کسی کی توجہ مبذول ہوتی ہوگی (۸) ۔

تعمیر و آرائش کے ذرائع :

تعمیراتی ذرائع میں مسلمانوں نے ہر دور میں کسی علاقے میں دستیاب ہر اس شئی کو استعمال کیا جو استعمال ہو سکتی تھی اور دستیاب تھی ۔ پتھر ، اینٹیں، لکڑی ، مصنوعی مسالہ غرض ہر ذریعہ تعمیر سے استفادہ کیا گیا ۔ آرائش کے سلسلہ میں بھی ان ذرائع کا بھرپور استعمال کیا گیا ۔ مثلاً عمارتوں میں اینٹوں کے پرت اس طرح بنائے گئے کہ اس سے مختلف ہندسی اشکال نے جنم لیا ۔ یہ طریقہ عراق عرب میں قدیم سے چلا آرہا تھا ۔ اسی طرح پتھروں کو تراش کر گل کاری کی گئی اور جہاں پتھروں کی کمی تھی وہاں گچ کے استر سے نقاشی کی گئی ۔ اس کے علاوہ سفال گری بھی تعمیر و آرائش کا ایک اہم ذریعہ رہا ہے ۔ سفال یا خزف کو ایک خاص طریقے سے چمک دیدی جاتی تھی اور اسے آرائشی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا تھا ۔ یہ فن بھی قدیم مصر، عراق عرب اور سندھ

میں موجود تھا ۔ اسی طرح رنگین پتھروں یا شیشوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے بھی آرائش و زیبائش کا کام لیا جاتا تھا جسے پچی کاری (Mosaic) کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ فن مسلمانوں نے رومیوں اور بیزنطینیوں سے حاصل کیا تھا ۔

مندرجہ بالا ذرائع کے علاوہ ایک اہم ذریعہ لکڑی تھا ۔ جس میں کندہ کاری (Engraving) کے ذریعے یا لکڑی کے مختلف سائز اور شکل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر مختلف ہندسی اشکال کو بروئے کار لاتے ہوئے نہایت اعلیٰ درجے کے نمونے تخلیق کئے جاتے تھے ۔ اس کے علاوہ مختلف رنگوں کے استعمال سے بھی مختلف نقش ونگار ترتیب دیئے جاتے اور پتھر ، لکڑی اور گچ پر رنگین نمونے بنائے جاتے تھے (۹) ۔

اسلامی فن تعمیر اندلس میں :

۱۱ھ میں مسلمانوں کے فتح اندلس سے لے کر ۵۶ھ میں اموی حکومت کے قیام تک کے حالات ایسے نہ تھے کہ یہاں پر فنکارانہ تعمیرات کے لئے سازگار ماحول میسر ہوتا ۔ کیونکہ یہ دور ایک نئے معاشرہ کی تشکیل کے لئے ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہا تھا ۔ یہاں پر آنے والے مسلمان بنیادی طور پر چونکہ فوجی تھے جن کے ساتھ ان کی بیویاں نہیں ہوتی تھیں لہذا انھوں نے یہاں کی عورتوں سے شادیاں کیں، دوسری طرف یہاں کے عیسائیوں کا ایک بڑا طبقہ مسلمان ہوگیا جس کی وجہ سے ہسپانیہ میں ایک نئے مسلم معاشرہ کی تشکیل کے ضروری اجزاء فراہم ہو گئے ۔

یہ وہ حالات تھے جن میں عبدالرحمان بن معاویہ بن ہشام نے ہسپانیہ کی سرزمین پر قدم رکھا ۔ وہ ۵۵ھ میں اشبیلیہ پہنچا اور ایک سال بعد قرطبہ میں اسے ہسپانیہ کا حکمران تسلیم کر لیا گیا ۔

عبدالرحمان کے لئے بھی اپنے ابتدائی ایام میں یمنی عربوں، بربروں اور خود اپنے فوجیوں کی بغاوتوں کی وجہ سے نئی تعمیرات کی طرف توجہ دینا ممکن نہ ہوسکا ۔ اسے ایک مستحکم حکومت قائم کرنے کے لئے بڑی تگ و دو کرنی پڑی اور کہیں اپنے آخری ایام میں جاکر اس طرف توجہ دینے کی فرصت ملی ۔ اس نے سب سے پہلے مسجد قرطبہ کی بنیاد رکھی اور خود اپنی نگرانی میں اس کی تعمیر کا کام شروع کرا دیا ۔

اندلس میں مسلمانوں کے فن تعمیر کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ یہاں کے مسلمان حکمران اور عوام کی اکثریت پرانی ثقافت کی کورانہ تقلید کے قائل نہیں تھے بلکہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یہاں ایک نئی تہذیب نے جنم لیا تھا اور اس کے نتیجے میں ایک نیا معاشرہ وجود میں آ چکا تھا ۔ اس نئی تہذیب کے آثار ان کی تعمیرات کے ہر انداز سے جھلکتے نظر آتے ہیں۔

عرب فاتحین کا یہ قاعدہ رہا تھا کہ وہ جہاں کہیں فاتح بن کر جاتے وہاں کی علاقائی تہذیب و ثقافت کو اپنا لیتے اور اپنی تعمیرات میں اس علاقے کی طرز تعمیر کے خدوخال کو شامل کر لیتے ۔ چنانچہ سندھ سے لیکر مراکش تک کی تعمیرات میں عربوں کی یہ خصوصیت واضح طور پر جلوہ گر نظر آتی ہے ۔ لیکن اندلس میں تو انھوں نے یکسر ایک نیا رویہ اپنایا اور ایک ایسی نئی طرز تعمیر کے موجد بنے جس میں عرب ، ہسپانوی ، صہیونی اور اندلس کی دیگر اقوام کی خصوصیات یکجا نظر آتی ہیں ۔ اس طرح اندلس میں مسلمانوں کی تعمیرات کا رنگ ہی جدا ہو گیا ہے ۔ مثال کے طور پر جامع مسجد قرطبہ ہی کو لیجیئے جس میں قدیم اسلامی طرز تعمیر صہیونی اور عیسائی طرز تعمیر کے پہلو بہ پہلو ایک نئے امتزاج کے ساتھ ملتا ہے۔

لہذا اگر ان تعمیرات کے لئے خالص اندلسی طرز تعمیر کی اصطلاح استعمال کی جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا ۔

اندلس میں مسلمانوں کے فن تعمیر کا عرصہ تقریباً سات سو برس پر محیط ہے جو آٹھویں صدی عیسوی میں جامع قرطبہ کی تعمیر شروع کئے جانے سے لے کر پندرھویں صدی عیسوی میں غرناطہ کے قصر الحمراء کے مکمل ہونے تک کے زمانہ پر پھیلا ہوا ہے۔ اس دوران سینکڑوں عمارات مثلاً حمام ، محلات ، مساجد ، مقابر ، درس گاہیں اور پل وغیرہ تعمیر ہوئے جن کی اگر تفصیل لکھی جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے ۔

اندلس میں عام طور پر عمارتوں کو پختہ اور مضبوط بنانے کے لئے چونے ، مٹی اور پتھر کے مرکب مسالے سے کام لیا جاتا تھا ۔ اس مسالے کی خاصیت یہ تھی کہ جس قدر پرانا ہوتا جاتا تھا اسی قدر مضبوط ہوتا جاتا تھا ۔ اس بات کی گواہ وہ عمارتیں ہیں جو آج بھی اپنی بنیادوں پر پہلے کی طرح قائم اپنے عہد رفتہ کی داستان بیان کرتی نظر آتی ہیں ۔ بعض عمارتوں کی تعمیر میں ایسی بڑی بڑی اینٹیں بھی استعمال کی گئی ہیں جو ایک طرف سے کھدی ہوئی ہوتی تھیں تاکہ چونا ان کو مضبوطی سے پکڑ لے ۔ اس صورت میں مرکب مسالہ کام میں نہیں لایا جاتا تھا ۔ بعض اوقات تمام دیوار پختہ پتھر سے بنائی جاتی تھی ۔ مسجد قرطبہ میں یہ تینوں ترکیبیں استعمال کی گئی ہیں ۔

بعض ماہرین تعمیرات کا خیال ہے کہ امویوں نے تعمیرات میں مضبوطی اور خوبصورتی کا لحاظ تو بخوبی رکھا مگر طرز تعمیر میں کوئی نمایاں جدت پیدا نہ کر سکے ۔ ان کی تعمیرات میں یونانیوں اور رومیوں کے ساتھ ساتھ بلاد شام ، عراق ، ایران اور حجاز میں مستعمل مشرقی طرز تعمیر کی آمیزش ملتی ہے۔ لیکن یہ تصرف جس

انداز سے کیا گیا وہ بذات خود ایک طرز بن گیا تھا اور دیکھنے والوں کو اس میں واقعی ندرت اور جدت کا احساس ہونے لگتا تھا۔

قرطبہ اور اشبیلیہ کی مساجد کے میناروں کے سب سے اوپر والے حصوں کو شعلہ نما بنایا گیا تھا جو کسی حد تک مجوسی طرز تعمیر سے مشابہ ہے۔ اس طرح کی تزئین ہمیں اندلس کی تمام مسلم عمارتوں میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ چنانچہ الحمراء کی پچی کاری اور طلائی کاموں میں یہی طرز تزئین سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

عمارت کی مضبوطی میں اضافہ کرنے اور اس کی خوبصورتی کو دوبالا کرنے کے لئے محرابوں (Arches) کی تعمیر کو ایک اہم ذریعہ کے کے طور پر اختیار کیا گیا تھا۔ اندلس کی عمارتوں میں ہمیں مختلف اقسام کی محرابیں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں جن میں سے کچھ مسلمانان ہسپانیہ کی اپنی اختراع تھیں۔ دراصل دوھری کھڑکیوں کے بیچ ایک نازک سا ستون قائم کرکے اسے محراب کی شکل دیدی جاتی تھی۔ بنو امیہ کی حکومت کے ابتدائی ایام میں جو محرابیں بنائی گئی تھیں وہ نعلی صورت کی (Horseshoe Type) تھیں لیکن جوں جوں مسلمان علم ھندسہ و ھیئت میں ترقی کرتے گئے محرابوں کا طرز بھی بدلتا گیا یہاں تک کہ قصر الحمراء کی خوبصورت محرابوں کی نزاکت اور ان میں مسالہ کی کم مقدار استعمال میں لائے جانے کی خصوصیت نے ایک زمانہ کو حیران کر دیا کہ اس قدر بڑے بڑے پایوں اور چھجوں کا بوجھ ان نازک محرابوں نے کیونکر سہارا ہوا ہے۔ اس تمام تر تبدیلی کے باوجود نعلی محرابوں کا رواج بھی باقی رہا۔ صاف اور منقش محرابوں کے ساتھ ساتھ نوکیلی محرابوں (Pointed Arches) کا بھی اندلس میں عام رواج تھا۔ اس کے علاوہ دیواروں پر یا کھڑکیوں اور جالیوں کے گردا گرد چھوٹی چھوٹی آرائشی محرابیں بنا

کر ان کی خوبصورتی میں اضافه کیا جاتا تھا ۔ یه زیـاده تر بنـد محرابیں(Blind Arches) هوتی تھیں جن کے درمیانی حصے ٹائلوں سے یا پچی کاری اور گچ کاری کے نمونوں سے آراسته هوتے تھے ۔

جہاں تک ستونوں کا تعلق ہے تو اگرچه اس سے پہلے بھی ستون عمارت کا اهم جز هوتے تھے لیکن اندلس والوں نے ان میں بہت اصلاح کی اور ان کو غیر معمولی طور پر نازک سے نازک تر بنا دیا ۔ مسلمانوں کے دور اول میں تعمیر هونے والی عمارتوں کے ستونوں میں ان کی شکل وصورت،وضع قطع، قدوقامت نیز رنگ اور مسالے کے استعمال کے اعتبار سے هم آهنگی و موزونیت کا فقدان نظر آتا ہے ۔ کیونکه ان میں زیاده تر قدیم عمارتوں سے حاصل کرده تعمیراتی سامان هی استعمال میں لایا جاتا رها تھا ۔ اس کی بیّن مثال جامع مسجد قرطبه ہے ۔ چنانچه ان میں سے بہت سے ستونوں کے پائے نه هونے کے باوجود انهیں تعمیراتی قواعد کی پابندی کو ملحوظ رکھے بغیر جوں کا توں نصب کر دیا گیا تھا ۔ بعض ماهرین وناقدین فن تعمیر کا تو یه بھی کہنا ہے که عمارتوں میں محراب کی ابتداء کی بنیادی وجه هی یه تھی که قدیم عمارتوں سے حاصل کرده اس طرح کے بعض ستـون چھوٹے هوتے تھے لہذا چھت تک کی بلندی کو پر کرنے کے لئے ان پر محراب بنا دیے جاتے تھے ۔ البته بعد میں جب اس طرح کے تیـار تعمیراتی سامان میں بتدریج کمی واقع هوتی گئی اور مسلمانوں کو اپنے ستون بنانے کی ضرورت پیش آئی تو انهوں نے اس میں اپنی هنر مندی کے جوهر دکھا کر نہایت خوبصورت اور هر طرح کی موزونیت کے حامل ستون بنائے جو آج بھی دیکھنے والوں سے داد تحسین وصول کئے بغیر انهیں آگے بڑھنے نہیں دیتے ۔ چنانچه قصر الحمراء کے بیـت الأسُوْد کے ستونوں کو دیکھ کر هر ماهر تعمیرات بآسانی بتا سکتا ہے که یه ستون خالصتاً مسلمانان اندلس کی ایجاد هیں ۔

دیواروں کی سجاوٹ میں بھی اندلس کے مسلمان معمار دیگر اسلامی ممالک کے ماہرین فن سے کسی طرح کم نہ تھے ۔ البتہ عمارتوں کا بیرونی حصہ عام طور پر سادہ اور بے رونق ہوتا تھا جبکہ اندرونی حصہ میں ان یگانہ روزگار صناعوں کے تخیل کا کمال اپنے انتہائی عروج پر ہوتا تھا ۔ دیواروں کی آرائش کا قدیم ترین طریقہ جو زخرفة العرب (Arabesque) کے نام سے معروف تھا ان صناعوں کے لئے اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا ایک بڑا ذریعہ تھا ۔ سب سے پہلے اس ذریعہ سے مسجد قرطبہ کی تزئین و آرائش کا کام کیا گیا ۔ اس کے علاوہ سنگ مرمر کی جالیوں سے بھی یہ مقصد حاصل کیا جاتا تھا۔ ان میں سے ہوا اور روشنی تو بخوبی گزر کر اندر آتی تھی لیکن دھوپ کا گزر نہ ہوتا تھا ۔ اشبیلیہ کا منارہ جو شاید کسی فتح کی خوشی میں تعمیر کیا گیا تھا اور کسی زمانہ میں منارۂ مسجد نیز رصدگاہ کے طور پر بھی کام آتا رہا تھا ، دیواری نقش ونگار کا نہایت ہی اعلیٰ نمونہ ہے ۔

اندلس کے معماروں نے ٹائل بنانے اور لگانے کے فن میں جو ترقی کی اس کی گواہ وہ عمارتیں ہیں جن میں یہ ٹائل اس خوبصورتی سے لگائے گئے ہیں کہ آج بھی اپنے فن کاروں کی صنّاعی اور ہنر مندی کی منہ بولتی تصویر ہیں ۔ مسلمانوں کے آخری دور میں ٹائلوں کا کام عمارت کے صرف اندرونی حصہ تک ہوتا تھا ۔ قصر الحمراء میں یہ کام اپنی خوبی کی انتہائی حدوں کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے ۔ یہ ٹائل دندانہ دار بنائے جاتے تھے جو صناعین اندلس کی مہارت اور جدت تخیل کی واضح دلیل ہے ۔

مینار اشبیلیہ اور جامع مسجد قرطبہ میں بھی ٹائل استعمال کئے گئے ہیں ۔ اگرچہ جامع قرطبہ میں ابتدائی دور کے ٹائلوں کا کام کسی

قدر بھدا ہے اور اس کے جوڑ بدصورتی سے بٹھائے گئے ہیں مگر اشبیلیہ کے مینار میں یہ کام نہایت عمدہ اور خوبصورت طریقے سے کیا گیا ہے۔ یہ ٹائل دھوپ میں آئینے کی طرح چمکتے تھے۔

مٹی کے کام میں بھی رفتہ رفتہ ترقی ہوئی ہے۔ قرطبہ کی عمارتوں میں یہ کام جس قدر نظر آتا ہے وہ خالص جڑائی کا نہیں بلکہ پہلے دیواروں پر رنگ لگا دیا گیا ہے اور پھر اس پر کسی مجلاّ مسالے سے خوبصورتی کے ساتھ شیشے جڑ دیئے گئے ہیں۔ اس کے باوجود خزف کی پچی کاری میں مسلمانان ہسپانیہ کی اولیت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ ان کی ایجاد و اختراع کے یہ بیّن ثبوت دیواروں اور ستونوں پر اس طرح ثبت ہیں کہ یورپ و ایشیا کے نقادان فن تعمیر آج بھی ان کو دیکھ کر انگشت بدندان رہ جاتے ہیں۔

دیواروں کی سجاوٹ کے سلسلہ میں سب سے نمایاں مقام گچ کے کام (Stuccowork) کو حاصل ہے۔ اس مسالہ کی خوبی یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ پتھر سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بنانے کی ترکیب شاید یہ تھی کہ پہلے سنگ مرمر کو سرمہ کر لیا جاتا تھا۔ پھر اس میں چونا اور جپسم ملا کر ایک خاص مقدار میں انڈوں کی سفیدی میں گوندھا جاتا تھا اور ابھی تقریباً سیال ہی ہوتا تھا کہ سانچوں میں ڈھال لیا جاتا تھا۔ اس میں غالباً کوئی ایسی چیز بھی پڑتی تھی جس سے حشرات الارض بھاگتے تھے۔ کیونکہ اس مسالے کی دیوار پر کبھی کوئی مکڑی یا مکھی وغیرہ نہیں دیکھی گئی۔ مختلف سانچوں میں ڈھال کر اس سے مختلف شکل و صورت اور سائز کے پھول اور بیل بوٹے بنائے جاتے تھے۔ صرف قصر الحمراء میں ۱۵۲ وضع کے ایسے پھول اور بوٹے پائے گئے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

اندلس کی عمارات کی ایک خوبی یہ ہے کہ سوائے ستونوں کے سنگ مرمر کا استعمال بہت کم کیا گیا ہے۔ آرائش کے کام میں سیپ کا استعمال اندلس کے فن کاروں کے ہاں کچھ زیادہ مروج نظر آتا ہے۔ سیپ کے کام میں یہاں کے ماہرین اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۔ یہ فن کار سیپ کی نازک نازک پھول پتیوں کا جوڑ بٹھا کر اپنی ہنر مندی کی داد وصول کرتے تھے ۔ عمارتوں کی چھتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ ان کو گنا جا سکتا تھا ۔ مثلاً مساجد میں ہر محراب کی چھت الگ ہوتی تھی ۔ ان کی کڑیاں تین طرف سے منقش ہوتی تھیں۔ تختوں پر رنگین گلکاری ہوتی تھی اور پھول پتیوں کے ابھرے ہوئے حصوں پر سونا چڑھا ہوتا تھا ۔ لکڑی پر اکثر کسی نایاب اور قیمتی شئی کا کام کیا جاتا تھا جس میں آبنوس ، ھاتھی دانت ، سیپ اور کچھوے کا خول شامل تھے ۔ بعد کے زمانہ میں نصف کروی چھتیں بنائی جانے لگیں جن کی اندرونی سطح پر ہندسی اصول کے نقش ونگار بنائے جاتے تھے ۔

مساجد اور شاھی محلات کے علاوہ جو عمارتیں سب سے زیادہ بنائی جاتی تھیں وہ فوجی طرز تعمیر کی حامل ہوتی تھیں ۔ کیونکہ اس دور میں اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے عام عمارتیں بھی قلعہ نما بنانی پڑتی تھیں ۔ یہ دفاعی عمارتیں عام طور پر وسیع رقبہ پر بنائی جاتی تھیں اور ان کی بناوٹ میں سختی سے عسکری ہندسی اصولوں پر عمل کیا جاتا تھا ۔ دیواریں بہت چوڑی اور مضبوط ہوتی تھیں ۔ بروج مربع ہوتے تھے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بنائے جاتے تھے ۔ مسقف راستے اور مورچے فوجی راستوں کی حفاظت کرتے تھے ۔ قلعہ کی فصیل کے اندر بہت بڑا رقبہ ہوتا تھا جو بجائے خود ایک شہر بن جاتا تھا ۔ مخصوص حالات میں قلعہ میں

داخل ہونے یا وہاں سے باہر کے علاقوں سے رابطہ رکھنے کے لئے چور راستے بنائے جاتے تھے ۔ قلعہ کی فصیل کو سجانے کا کچھ زیادہ رواج نہ تھا ۔ طلیطلہ کے باب الشمس کو چھوڑ کر کوئی عمارت ایسی نہیں ملتی جس کی فصیل کو بھی خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی ہو ۔ قلعہ میں پانی کے حصول اور فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے پانی ذخیرہ کرنے کے لئے بڑے بڑے صہاریج (Tanks) اور حوض بنائے جاتے تھے جن کو بھرنے کے لئے کسی پہاڑی چشمے سے پانی وہاں تک پہنچانے کا انتظام پختہ نالیوں (Aquejucts) کے ذریعے جس انداز میں کیا جاتا تھا وہ اس دور کے ہنر مندوں کی کاریگری کی واضح دلیل ہے ۔

اندلس میں عمارات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے ۔ ان میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں قسم کی عمارتیں شامل ہیں ۔ جہاں تک عوامی تعمیرات کا تعلق ہے ان میں مساجد ، حمام ، مدارس ، پل، بڑے بڑے دروازے اور سرائیں وغیرہ شامل ہیں ۔ ان عمارات کا طرز کیسا تھا اور ان پر کس طرح کا کام کیا گیا تھا اس کے بارے میں کوئی رائے زنی کرنا ممکن نہیں ۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی کا بھی وجود باقی نہ چھوڑا گیا ۔ حالانکہ علامہ مقّری کے بقول صرف قرطبہ ھی میں ۳۰۰ کے قریب مساجد اور ۹۰۰ کے قریب حمام تھے ۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس دور کی عوامی عمارتوں کا طرز تعمیر سرکاری عمارات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا اور بعض سرکاری عمارات کے آثار ابھی تک باقی ہیں جس سے ان عمارات کی طرز تعمیر پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے ۔ سرکاری عمارات سے ہماری مراد وہ عمارتیں ہیں جن کی تعمیر اگرچہ عوامی فلاح و بہبود کے لئے ھی ہوتی تھی لیکن ان کی تعمیر میں چونکہ امراء وسلاطین نے بطور خاص حصہ لیا تھا ، جیسے جامع مسجد قرطبہ ۔

وادی الکبیر کا پل وغیرہ ، لہذا ہم نے ان کے لئے یہ اصطلاح استعمال کی ہے (۱۰) ۔

خلاصہ کلام یہ کہ اندلس کی عمارتیں مضبوطی ، پائیداری ، خوبصورتی اوز آن بان میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں ۔ اموی بادشاہوں کو عمدہ محل اور عمارتیں بنانے کا بے انتہا شوق تھا ۔ الزہراء اور الزاہرہ جیسے محل جن کی خوبصورتی پر خود خوبصورتی ناز کرتی تھی اس شوق کا منہ بولتا ثبوت ہیں ۔ اسی طرح ان بادشاہوں کے مذہبی ذوق و شوق نے جامع مسجد قرطبہ ، الزہراء اور الزاہرہ کی مسجدوں کی تزئین و آرائش کے لئے جو کام کرایا اس نے ان مساجد کو حسن کا مکمل نمونہ بنا دیا تھا ۔

اندلس کی یادگار عمارتوں کا الگ الگ تعارف پیش کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی بیشتر تاریخی عمارتوں میں اگرچہ تصویر کشی اور بت تراشی سے اجتناب برتا گیا ہے (جس کی وجہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں) مگر اندلس میں بعد کی عمارتوں میں مسلمان امراء نے دیگر تہذیبوں خاص طور پر عیسائیوں سے متاثر ہو کر ان پابندیوں کا التزام نہ کیا ۔ الناصر نے قصرالزہراء میں خصوصیت سے دیواروں پر تصویریں بنوائیں حتی کہ جو فوارے لاکر نصب کئے گئے تھے ان میں پتھر کے جو تراشے ہوئے اصنام تھے انہیں بھی جوں کا توں رہنے دیا گیا ۔ المنصور باوجودیکہ مذہبی رجحانات والا شخص تھا اس نے قصر الزاہرہ میں خوبصورت مورتیاں اور جاذب نظر تصاویر (Paintings) بنوا کر لگوائیں ۔ الحمراء کا جو ,,مأسدہ،، آج تک صحیح حالت میں موجود ہے اس کے صحن میں ایک نہایت خوبصورت فوارہ ہے ۔ اس کے چاروں طرف شیروں کی مورتیاں ہیں جنہیں انتہائی نزاکت اور اہتمام سے تراشا گیا ہے ۔

بہرحال پائیداری ومضبوطی ہو یا نزاکت ونفاست ، حسن و جمال ہو یا جدت فکر اور ندرت خیال ، یکتائے زمانہ ہنر مندی ہو یا یگانہ روزگار فنکارانہ صلاحیتوں کا اظہار اندلس کی عمارتوں میں یہ تمام خوبیاں اپنی تمام تر دلکشی وجاذبیت کے ساتھ جلوہ گر تھیں ۔ ان میں سے چند ایک عمارتیں آج بھی اپنے اس شاندار ماضی کی امین بنی کھڑی ہیں جو کبھی حال تھا اور ان کے معماروں کے لئے روشن مستقبل کی نوید ۔

جامع مسجد قرطبہ :

اے حرم قرطبہ ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت بود
تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل وجمیل، تو بھی جلیل وجمیل
(اقبال)

یوں تو سرزمین اندلس پر مسلمانوں کے عہد زریں میں بہت سی دلکش و دلفریب عمارات تعمیر ہوئیں لیکن جو نفاست اور پاکیزگی جامع مسجد قرطبہ کے حصہ میں آئی وہ نہ تو الفاظ میں بیان کی جا سکتی ہے اور نہ ہی کسی اور ذریعہ اظہار سے اس کے حسن و جمال، تزئین و آرائش ، نسخی گلکاریوں اور پچی کاریوں کی تفصیل پیش کی جا سکتی ہے ۔ وہ دیکھنے کی چیز تھی اور بار بار دیکھنے کی ۔ اگرچہ گردش ایام نے اسے اب کچھ سے کچھ بنا دیا ہے پھر بھی اس کے حسن و خوبی اور جدت تعمیر و ندرت آرائش کے جو آثار زمانہ کی دستبرد سے بچ سکے ہیں اب بھی اپنے شاندار ماضی کی داستان زبان حال سے سناتے نظر آتے ہیں ۔

اس عظیم مسجد کی تعمیر کا خیال امیر عبدالرحمن الداخل کو سب سے پہلے اس وقت دامن گیر ہوا جب انہوں نے ایک طرف

اندرونی شورشوں پر قابو پا لیا اور دوسری طرف بیرونی خطرات کے سدباب کا بھی مؤثر بندوبست کر دیا ۔ انھوں نے اپنی وفات سے صرف دوسال پہلے اس کام کو شروع کرایا ۔ امیر چاھتے تھے کہ مسجد کو جامع مسجد دمشق کا ھم پلہ بنا کر اھل اندلس و مغرب کو ایک نیا مرکز عطاء کریں ۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی تعمیر کی نگرانی انھوں نے خود کی اور اسے جلد از جلد مکمل کرانے کی غرض سے جملہ وسائل بروئے کار لائے ۔

یہ عظیم مسجد وادی الکبیر میں دریا پر بنائے گئے قدیم ترین پل کے قریب اس جگہ واقع ہے جہاں پہلے سینٹ بنجنٹ (St. Vincent) کی یاد میں تعمیر کردہ ایک گرجا واقع تھا اور جس کا ایک حصہ پہلے ھی سے بطور مسجد مسلمانوں کے زیر تصرف تھا ۔ السمح بن مالک الخولانی کے عھد امارت میں جب قرطبہ دار السلطنت بنا تو مسلمانوں نے مسجد کی توسیع کے لئے عیسائیوں سے باقیماندہ حصہ خریدنے کی خواھش ظاھر کی مگر وہ مسلمانوں کی تمام تر رواداری کے باوجود اسے فروخت کرنے پر تیار نہ ھوئے ۔ لیکن جب عبدالرحمن الداخل کا زمانہ آیا تو انھوں نے بہت بھاری قیمت ادا کرکے پورا گرجا خرید لیا ۔ قبضہ حاصل کر لینے کے بعد ۸۶ھ میں امیر نے اسے گرا کر اس کی جگہ ایک دیدہ زیب مسجد کی دیواریں کھڑی کیں ۔ تعمیر کا کام جس ذوق و شوق سے شروع ھوا اس کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ امیر نے دو سال کی قلیل مدت میں اس پر ۸۰ ھزار دینار خرچ کئے ۔

مسجد کی بیرونی چار دیواری اتنی بلند وبالا اور مضبوط تھی کہ وہ شھر کی فصیل نظر آتی تھی ۔ اس فصیل نما چاردیواری کو مزید مضبوط کرنے کے لئے اس کے باھر کی جانب تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر

پہل پشتیبان (Buttresses) بنائے گئے تھے جن پر کنگرے بنے ہوئے تھے ۔

مسجد کی چھت بے شمار ستونوں پر قائم ہے جن کی ترتیب کچھ اس وضع پر ہے کہ ان کے تقاطع سے دونوں طرف کثرت سے متوازی راستے بن گئے ہیں ۔ ان ستونوں پر نہایت ہی پرتکلف نعلی محرابیں (Horseshoe Arches) قائم ہیں ۔ یہ نعلی محرابیں نہ صرف اس عظیم مسجد کا وجہ امتیاز ہیں بلکہ ہسپانوی طرز تعمیر کی پہچان بن چکی ہیں ۔ جامع قرطبہ کے ان ستونوں پر دوہری محرابیں بنی ہوئی ہیں ۔ یعنی ایک محراب پر دوسری قائم کرکے انہیں چھت سے ملا دیا گیا ہے ۔ ان محرابوں پر کہیں کہیں قبّے بنائے گئے تھے جن میں سے چند ایک ابھی تک باقی ہیں ۔ چھت زمین سے تیس فٹ کے قریب بلند تھی جس کی وجہ سے مسجد میں صاف ہوا اور روشنی کا حصول آسان ہو گیا تھا ۔ چھت پر دو سو اسی جگمگاتے ستارے بنائے گئے تھے ۔ جن میں سے اندرونی دالان کے ستارے خالص چاندی کے تھے ۔ اس کے علاوہ چھت مختلف چوبی پٹیوں (Panells) سے آراستہ تھی ۔ ہر پٹی پر نقش و نگار کا انداز مختلف تھا ۔ مسجد کے وسط میں تانبے کا ایک بہت بڑا جھاڑ معلق تھا جس میں بیک وقت ہزار چراغ جلتے تھے ۔ خاص دالان کے دروازہ پر سونے کا کام کیا گیا تھا جبکہ محراب اور اس سے متصل دیوار سونے کی تھی ۔ سنگ مرمر کے ستونوں پر سونے کے کام سے ان کی تزئین و آرائش کا کام نہایت نفاست سے کیا گیا تھا ۔

الداخل کے بعد امیر ہشام مسند امارت پر متمکن ہوئے ۔ انھوں نے بھی اس مسجد کی تعمیر و توسیع کا کام جاری رکھا ۔ انھوں نے تو اپنے دور حکومت کے سات سالوں میں تمام مال غنیمت کا خمس مسجد کی تعمیر پر خرچ کیا ۔ اس عظیم الشان مسجد کا وہ عظیم

مینار جو چہار پہلو تھا انھی کے زمانے میں تعمیر ہوا ۔ اس مینار کا شمار عجائبات عالم میں ہوتا تھا ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس یکتائے زمانہ مسجد کی تکمیل پر ماہ و سال نہیں صدیاں خرچ ہوئیں ۔ ہر امیر نے اپنی بساط اور ذوق کے مطابق اس پر بے دریغ خرچ کیا ۔ ہزاروں مزدوروں نے سینکڑوں معماروں کی معیت میں اس مسجد کی تعمیر و آرائش پر اپنا خون پسینہ ایک کیا تب جاکر اسے وہ مقام نصیب ہوا جو بہت ہی کم عمارتوں کو حاصل ہے ۔

ذیل میں ہم اس مسجد کے بعض اہم حصوں پر الگ الگ روشنی ڈالتے ہیں ۔

محراب و منبر :

مسجد میں محراب و منبر کو ایک ممتاز مقام حاصل ہوتا ہے ۔ کیونکہ جہاں باہر سے دیکھنے والوں کے لئے مسجد کا مینار اور گنبد مرکز نگاہ بن جاتے ہیں وہاں مسجد کے اندر محراب و منبر ہی وہ دو مقام ہیں جو ہر ایک کی توجہ کا مرکز ہوتے ہیں ۔ مسجد قرطبہ کی محراب (Niche) جس سنگ مرمر سے تیار کی گئی تھی وہ دودھ سے زیادہ اجلا اور برف سے زیادہ چمکیلا تھا ۔ صناعوں نے اسے ہفت پہلو کمرہ بنا دیا تھا جس کے اندر کی جانب سنگتراشی کے ذریعے خوبصورت گل کاری کا کام کیا گیا تھا ۔ اس کے سامنے کی طرف قوس کی شکل کی جو محراب (Arch) بنائی گئی ہے اسے دونوں طرف سے دو دو ستونوں نے سہارا دے رکھا ہے ۔ ہر جانب ایک ستون نیلگوں اور ایک سرخ ہے ۔ اس محراب پر قوس ہی کی شکل میں پچی کاری کے ذریعے خوبصورت رنگین نقش ونگار بنائے گئے ہیں جس کے گرداگرد کوفی رسم الخط میں قرآنی آیات لکھی گئی ہیں ۔ محراب

کی چھت ایک بہت بڑے صدف سے آراستہ ہے۔ قبلہ کی دیوار کے ساتھ ساتھ پچی کاری سے مزیّن تین بڑے بڑے دروازے ہیں جن میں سے درمیانی دروازے میں مسجد کی محراب واقع ہے۔ محراب کے قریب قبلہ کی دیوار نے تین عظیم قبوں کو (Vaults or Cupolas) کو تھام رکھا ہے جن میں سے درمیانی قبے کے اندر پچی کاری کا خوبصورت کام کیا گیا ہے۔ قبلہ کی دیوار کے ساتھ جو دروازہ ,,ساباط،، پر بنایا گیا ہے اس کی ایک جانب وہ منبر تھا جو خوشبودار اور قیمتی لکڑی کے ۳۶ ہزار ٹکڑوں سے بنایا گیا تھا۔ ٹکڑوں کو جوڑنے کے لئے سونے اور چاندی کے کیل لگائے گئے تھے۔ نفح الطیب میں ابن بشکوال کی جو عبارت نقل ہوئی ہے اس کے مطابق لکڑی کے ہر ٹکڑے پر سات درہم نقرئی خرچ آئے تھے۔ جو لکڑی استعمال کی گئی تھی اس میں صندل، بقم، حدنگ، آبنوس اور شوحط شامل ہیں۔ یہ منبر آٹھ فنکاروں نے سات برس کی طویل مدت میں مکمل کیا تھا۔ منبر میں زیادہ آب وتاب پیدا کرنے کے لئے اسے جواہرات سے مرصّع کیا گیا تھا۔ انقلابات زمانہ کی دستبرد سے اگر مسجد قرطبہ کا کوئی حصہ صحیح حالت میں بچ سکا ہے تو وہ یہی محراب ہے جس کی چمک اور تابانی آج بھی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔

ستـــون :

تیری بنا پائیدار، تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل
(اقبال)

امیر عبدالرحمن الداخل اور امیر ہشام کے عہد میں جو ستون مسجد قرطبہ میں استعمال کئے گئے وہ یا تو قرطاجنہ سے لائے گئے تھے یا اربونہ اور اشبیلیہ سے۔ لیکن یہ ستون تعداد میں اس قدر زیادہ نہ

تھے کہ آئندہ کی تمام ضروریات کو پورا کر سکتے ۔ لہذا عبدالرحمن الناصر نے اندلسی سنگ مرمر سے مختلف رنگوں کے ستون ترشوائے ۔ سنگ مرمر کے یہ ستون سفید ، نیلگوں ، سرخ ، سیاہ ، سبز، گلابی اور رنگ برنگ کی چتّیوں والے تھے ۔ سنگ سماق ، سنگ رخام اور زبرجد سے بنائے گئے ان ستونوں پر سونے کی مینا کاری اور جواھرات کی پچی کاری کی گئی تھی ۔ مجموعی طور پر ان ستونوں کی تعداد ۱۴۰۰ سے زائد تھی ۔ ان ستونوں پر نعلی محرابیں اس طرح بنائی گئی ھیں کہ یہ ستون کھجور کے تنے اور ان پر بنے چھوٹے بڑے محاریب کھجور کی شاخیں معلوم ھوتی ھیں ۔ جس ترتیب اور وضع سے انھیں نصب کیا گیا تھا اس کی بناء پر کسی بھی زاویے سے انھیں دیکھا جائے تو یوں محسوس ھوتا ہے جیسے انسان کسی دل فریب نخلستان میں کھڑا ہے اور اس کے سامنے ھزار ھا کھجور کے درخت صف بستہ کھڑے ھیں ۔ گویا کسی ساحر نے اپنے سحر کے زور سے ان کے سیدھے تنوں اور ژولیدہ شاخوں کو یک لخت پتھر کا بنا دیا ھو ۔ چھت کو سہارا دینے والے ستونوں پر قائم محرابوں کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی آرائشی محرابیں بھی بنائی گئی تھیں جو ایک دوسرے کو قطع کرتی نظر آتی ھیں ۔ یہ زیادہ تر بند محرابیں (Blind Arches) ھیں جن کے درمیانی حصوں کو گچ کاری ، پچی کاری اور ٹائلوں کے کام سے آراستہ کیا گیا ہے ۔

دروازے :

مسجد میں توسیع کے نتیجہ میں اس کے دروازوں کی تعداد نو سے بڑھ کر اکیس تک پہنچ گئی تھی ۔ نو دروازے مشرق کی جانب اور نو مغرب کی جانب تھے ۔ ان میں سے ھر طرف کے آٹھ دروازے مردوں کے لئے اور ایک ایک دروازہ عورتوں کے لئے مخصوص تھا ۔ شمال کی

جانب تین دروازے تھے ان تمام دروازوں کے کواڑوں پر صیقل شدہ پیتل کی پتریاں چڑھائی گئی تھیں جو سورج کی روشنی میں خوب چمکتی تھیں ۔ اس کے علاوہ جنوب کی طرف سونے کے کواڑوں والا ایک بڑا دروازہ بھی تھا جو قصر خلافت سے ملانے والی ,,ساباط،، نامی مسقف گزرگاہ پر بنا ہوا تھا ۔ اسی راستے سے گزر کر امراء اندلس مقصورہ میں داخل ہوتے تھے ۔ ساباط کے دروازے کی محراب پر گنجان پچی کاری کا کام کیا گیا ہے حتی کہ کوفی رسم الخط میں تحریر عبارتیں تک پچی کاری سے لکھی گئی ہیں ۔

پانی اور روشنی کا انتظام :

مسجد میں فانوسوں اور موم بتیوں کی روشنی کے سبب رات کو بھی دن کا گمان گزرتا تھا ۔ اگرچہ اس میں جلنے والے چراغوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں مگر پھر بھی وہ ساڑھے سات ہزار سے کسی طرح کم نہ تھے ۔ سال بھر میں ساڑھے تین من موم کے علاوہ تین سو من تیل جلایا جاتا تھا ۔

شروع میں وضو کرنے کے لئے پانی مسجد کے باھر کے ایک کنویں سے میضاۃ (وضوگاہ) میں پکھالوں کے ذریعے لاکر بھرا جاتا تھا ۔ لیکن بعد میں الحکم نے چار میضاۃ بنوائے جن میں سے دو بڑے اور دو چھوٹے تھے ۔ ان میں پانی بھرنے کے لئے ایک پختہ نہر جبل قرطبہ کو کاٹ کر مسجد تک لائی گئی تھی ۔ اس کا پانی نہایت عمدہ اور شیریں تھا اور ہر وقت رواں رہتا تھا ۔ مسجد کی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد یہ پانی تین زمین دوز نالیوں کے ذریعے مسجد سے باھر نکل جاتا تھا ۔

مینـــار :

تیرے دروبام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند جلوہ گہِ جبرئیل
(اقبال)

مسجد قرطبہ میں مینار کا اضافہ سب سے پہلے ہشام اول نے کیا تھا ۔ یہ مینار چہار پہلو تھا اور اس کے اوپر جانے کے لئے صرف ایک زینہ تھا ۔ اس کی بلندی بھی عمارت کی مناسبت سے رکھی گئی تھی ۔ ۸۸۸ء میں ایک زلزلہ سے اس مینار کو شدید نقصان پہنچا لہذا الناصر جب سریر آرائے خلافت ہوا تو اس نے پرانے مینار کی جگہ دوسرا مینار بنوایا جو پہلے مینار کی بنسبت کہیں زیادہ رفیع الشان تھا ۔ اس مینار کے بارے میں نفح الطیب میں ابن بشکوال کی جو عبارت نقل ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی بلندی بہتّر ہاتھ تھی ۔ زمین سے چون ہاتھ کی بلندی پر ایک چھجہ تھا جس پر ستون قائم کرکے ان پر ایک برج بنا دیا گیا تھا جہاں مؤذن اذان دیتا تھا ۔ پہلے مینار کے برعکس اس میں اوپر جانے کے لئے دو زینے بنا دیئے گئے تھے ۔ برج کے اوپر کلس تھا جو سیب کی شکل کے تین گولوں پر مشتمل تھا جو ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے ۔ ان میں سے بیچ کا گولا چاندی کا اور دوسرے دونوں سونے کے تھے ۔ ان سیبوں کے اوپر چھ پنکھڑیوں والا سوسن کا پھول تھا جس پر ایک نہایت خوبصورت سونے کا انار بنا دیا گیا تھا ۔

مقصـــورہ :

الحکم نے جو مقصورہ تیار کرایا تھا اس کے بارے میں نفح الطیب میں ابن بشکوال کا قول ابن سعید کے حوالے سے اس طرح نقل ہوا ہے کہ دیوار قبلہ سے متصل دالان کے گیارہ دروں میں سے بیچ کے پانچ

دروں کو گھیر کر یہ مقصورہ بنایا گیا تھا ۔ مقصورہ سے کچھ دور لکڑی کی دیوار بنا دی گئی تھی جس پر نہایت ھی عمدہ کام کیا گیا تھا ۔ اس مقصورہ کا فرش مسجد کے باقی فرش سے کسی قدر اونچا رکھا گیا تھا ۔ اس میں داخل ہونے کے تین دروازے تھے ۔ ایک دروازہ قبلہ کی دیوار میں جبکہ ایک ایک مشرق و مغرب کی سمت میں تھا ۔ مقصورہ کا فرش چاندی کا اور تمام دیواروں پر جڑاؤ کا کام بلّور کے ٹکڑوں اور قیمتی رنگین نگینوں سے کیا گیا تھا ۔ ان بلّور کے ٹکڑوں اور نگینوں پر بھی سونے کی مینا کاری تھی ۔ مقصورہ میں ایک ستون کی جگہ چار ستون کھڑے کرکے ان پر متعدد الجہت محاریب (Polygon Arches) والے تاج قائم کئے گئے تھے ۔ ان ستونوں پر اوپر سے نیچے تک فیروزے جڑ کر سونے کے پھول بوٹے بنائے گئے تھے ۔

یہ مستطیل مسجد لمبائی میں ۱۸۰ میٹر اور چوڑائی میں ۱۳۵ میٹر ہے ۔ اس رقبہ میں مسجد کا قبلہ کی سمت دالانوں والا حصہ ، صحن مسجد اور تین طرف کے دالانوں کے علاوہ اس مینار کو بھی شامل کیا گیا ہے جو مسجد کے مینار کی جگہ بنایا گیا ہے (۱۱) ۔

چند دیگر عمارتیں :

اندلس کی یادگار اور تاریخی عمارتوں میں جامع مسجد قرطبہ کے بعد قصر الحمراء کو جو شہرت دوام حاصل ہوئی وہ کسی اور عمارت کے حصہ میں نہیں آئی ۔ مگر الحمراء پر کچھ لکھنے سے پہلے چند دیگر تاریخی عمارتوں کا ذکر ضروری ہے ۔ اگرچہ ان تاریخی عمارات میں سے بیشتر عمارتوں کا وجود اب سرزمین اندلس پر باقی نہیں رہا مگر تاریخ کی کتابوں میں ان کی داستان حسن و جمال کا تذکرہ مل جاتا ہے ۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اسلامی اندلس کی سب سے پہلی تاریخی عمارت جامع مسجد قرطبہ

تھی تو سب سے آخری عمارت قصر الحمراء تھا ۔ یہ بات کسی قدر حیرت انگیز ہے کہ یہی دونوں عمارتیں مکمل طور پر تباہ وبرباد ہونے سے بچ گئیں ورنہ دیگر عمارتیں تو الگ رہیں بعض شہروں تک کا وجود سوائے کھنڈرات کی صورت کے باقی نہیں رہا ۔

بہرحال تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ان یادگار عمارتوں میں سے ایک عمارت رصافۃ تھی ۔ اسے قرطبہ میں امیر عبدالرحمن الداخل نے دمشق کے اس رصافہ کے طرز پر بنوایا تھا جو امیر کے دادا ھشام نے تعمیر کرایا تھا ۔ اس کے ساتھ ایک پر فضا باغ تھا جس میں انواع و اقسام کے پھل دار درخت اور پھولدار پودے دور دراز کے مقامات سے منگوا کر لگائے گئے تھے ۔ اسی نزھت گاہ میں کھجور کاوہ یکہ وتنہا درخت بھی تھا جس کے ساتھ امیر کو گہری محبت تھی اور جس کی شاخوں کو پکڑ کر وہ ایام رفتہ کو یاد کر لیا کرتا تھا ۔ امیر کے وہ حسین اشعار جن کا آزاد ترجمہ علامہ اقبال نے بھی اپنے کلام میں کیا ہے یہ ھیں :-

تبدت لنا وسط الرصافة نخلة
تناءت بارض الغرب عن بلد النخل
فقلت شبيهي بالتغرب والنوى
وطول التنائي عن بنّي وعن اهلي
نشأتِ بارض انت فيها غريبة
فمثلك في الاقصاء والمنتاى مثلي
سقتك غوادي المزن من صوبها الذي
يسح ويستمري السماكين بالوبل

ترجمہ : رصافہ کے بیچ ھمیں ایک کھجور کا درخت دکھائی دیا جو کھجوروں کی سرزمین سے بہت دور مغرب میں اگا ہے ۔ میں نے

اس سے کہا کہ اھل و اولاد سے دوری اور غریب الوطنی میں تو بھی میری طرح ہے۔ تو بھی میری طرح ایک اجنبی دیس میں اپنوں سے دور آ بسا ہے۔ تجھے ابر بہار اپنے اس باران رحمت سے سیراب کرے جس کے جل تھل سے آسمان و زمین شاداب ہو جاتے ھیں۔

امیر عبدالرحمن الداخل کی تعمیر کردہ عمارتوں میں سے ایک ,,قصر قرطبہ،، کے نام سے تاریخ کی کتابوں کی زینت ہے۔ اگرچہ اس کی تعمیر امیر نے شروع کرائی تھی مگر اس کی تکمیل بعد کے حکمرانوں کے ھاتھوں ہوئی۔ اس قصر میں بہت سی محل سرائیں تعمیر کی گئی تھیں جن کی تعداد تقریباً چار سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ ان محلات میں سے بعض کے نام الکامل ، المجدد ، المعشوق ، الروضة، المبارک ، اور البدیع وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں درج ھیں۔ اس قصر میں نہروں ، حوضوں اور آبشاروں کی کثرت تھی جن میں پانی زمین دوز نہروں کے ذریعے مہیا کیا جاتا تھا۔ یہ پانی منقش سنگ رخام کے حوضوں تک پہچنے کے بعد ان میں ایسے سونے اور چاندی سے بنے ہوئے انابیب (Pipes) کے ذریعے گرتا تھا جن کے سرے درندوں اور پرندوں کی شکلوں پر بنائے گئے تھے۔

قرطبہ کی تاریخی عمارتوں میں سے ایک وادی الکبیر کا پل ہے جو اگرچہ پہلے پہل رومیوں کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا مگر بعد میں السمح بن مالک الخولانی نے اسے ازسر نو پختہ اور مضبوط بنیادوں پر تعمیر کرکے پھر سے قابل استعمال بنا دیا تھا۔ عبدالرحمن الداخل نے اس پر خاص توجہ دی اور زر کثیر خرچ کرکے اسے مستحکم کیا۔ اس پر سب سے زیادہ رقم الحکم ثانی کے دور میں خرچ کی گئی جس کے نتیجے میں یہ پل اوپر سے نیچے تک نہایت ھی دلکش پھولوں اور بیل بوٹوں سے آراستہ ہو گیا تھا۔ یہ پل جامع قرطبہ کے قریب ھی واقع ہے۔

اشبیلیه میں دو عمارتیں اپنی خوبصورتی اور بناوٹ کے اعتبار سے قابل ذکر تھیں ۔ ان میں سے ایک تو ,, قصر اشبیلیه ،، کے نام سے موسوم تھی جو موحدین کے دور میں تعمیر ہوئی ۔ یه قصر طرز تعمیر میں کسی حد تک الحمراء سے مشابه تھا مگر خوبصورتی اور نفاست میں اس سے کہیں کم تر ۔ اشبیلیه میں دوسری یادگار عمارت اس کا مینار ہے جو شاید کسی مسجد کا حصه تھا ۔ مسجد کا تو اب کوئی وجود نہیں البته مینار کے آثار پائے جاتے ہیں ۔ اس مینار کی وجه شہرت اس کی وہ دیواری آرائش تھی جس پر اندلس کے صناعوں نے اپنے فن کے جوہر دکھائے تھے ۔ اس مینار پر قلم کاری کی گئی تھی اور اس کے اردگرد کی جالیوں پر زخرفة العرب (Arabesque) کا کام کیا گیا تھا (۱۳) ۔

قصر الزهراء :

قرطبه کے نادرۂ روزگار محلات میں سے ایک عبدالرحمن الناصر کا تعمیر کرده قصر ,,الزهراء،، تھا جسے اس نے شہر سے چار میل کے فاصلے پر تعمیر کرایا تھا اور الحکم ثانی کے دور میں تقریباً چالیس سال کے عرصه میں اپنی تکمیل کے تمام مراحل طے کرکے مکمل ہوا تھا ۔

یه قصر دراصل ایک چھوٹا سا شہر تھا جو تقریباً سات فرلانگ لمبے اور پانچ فرلانگ چوڑے رقبه پر پھیلا ہوا تھا ۔ یہی وجه ہے که بعض حضرات اسے محض ایک قصر کی بجائے شہر قرار دیتے ہوئے مدینة الزهراء کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ الناصر نے اسے ۹۳۶ء میں اپنی چہیتی لونڈی الزهراء کی فرمائش پر تعمیر کرانا شروع کیا تھا ۔ اگرچه شاہی محل اور دیگر اہم عمارات اس کے عہد میں تعمیر ہو چکی تھیں لیکن اس کی تعمیر الحکم ثانی کے عہد میں بھی جاری رہی اور اس طرح پورے چالیس برس میں جاکر اس کی تکمیل ہوئی ۔

مدینۃ الزھراء میں شاھی محل کی عمارت سب سے زیادہ پر تکلف اور وسیع تھی ۔ اس محل کے دو حصوں کا ذکر مورخوں نے خاص طور پر کیا ہے ۔ ایک ,,مجلس مونس ،، اور دوسرے ,,قصر الخلفاء،، ۔ مجلس مونس شاھی محل کا مشرقی ایوان تھا ۔ اس کے قریب سبز سنگ مرمر کا حوض نصب کیا گیا تھا ۔ ایک دوسرا حوض جو برنجی رنگ کے سنگ مرمر سے بنایا گیا تھا اس پر ھر طرف سونا چڑھا ھوا تھا اور آدمیوں کی ابھری ھوئی تصویروں سے مزین تھا ۔ اس کے اردگرد جانوروں کی مورتیں خالص سونے کی تھیں ۔ ان میں ایک مورت شیر کی تھی جس کے ایک پہلو میں ھرن اور دوسرے پہلو میں ایک نہنگ تھا ۔ اس کے علاوہ اژدھا ، ھاتھی ، عقاب، شکرہ، مور ، کبوتر ، مرغا، مرغی اور چیل وغیرہ کی سونے سے بنی ھوئی مورتیں تھیں جو جواھرات سے مرصع تھیں ۔ ان مورتیوں کے منہ سے پانی کی دھاریں نکل نکل کر حوض میں گرتی تھیں ۔

شاھی محل کے دوسرے ایوان کا نام قصر الخلفاء تھا ۔ اس کی چھت اور دیواریں سونے اور شفاف مرمر کی تھیں ۔ چھت کے اوپر کی پوشش خالص سونے اور چاندی کے کھپروں کی تھی ۔ اس ایوان کے وسط میں ایک حوض تھا جس میں پارہ بھرا رھتا تھا ۔ ایوان کے ھر ضلع میں آٹھ آٹھ محرابوں والے در تھے جن میں کواڑ لگے تھے ۔ محرابیں رنگین سنگی ستونوں پر قائم تھیں اور کواڑ آبنوس اور ھاتھی دانت کے تھے جن پر سنہری کام کرکے انھیں جواھرات سے مرصع کیا گیا تھا ۔ جس وقت دھوپ اندر آتی تو حوض میں بھرے ھوئے پارہ سے منعکس ھو کر چھت اور دیواروں کو اس قدر روشن کر دیتی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ھو جاتی تھیں ۔

شاھی محل کے علاوہ مدینۃ الزھراء کی جامع مسجد بھی قصر شاھی سے کسی طرح کم نہ تھی ۔ کہتے ھیں کہ یہ مسجد صرف

اڑتالیس دن میں تیار ہو گئی تھی مگر اس کے باوجود بے عیب تھی ۔ مسجد کا ہر حصہ بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا تھا ۔ مسجد کے صحن میں ایک حوض اور فوارہ نصب تھا ، نیز اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا منارہ بھی تعمیر کیا گیا تھا جو چہار پہلو تھا ۔

اس خوبصورت شہر میں ان اہم عمارتوں کے علاوہ حمام ، سرائیں ، مدرسے، بازار اور دیگر عمارتیں بھی لاجواب تھیں ۔ مورخین کے بقول الناصر کے عہد خلافت کے پچیس برسوں میں اس کی تعمیر پر کل سالانہ آمدنی کا ایک تہائی حصہ خرچ کیا جاتا رہا ہے جبکہ الحکم ثانی کے عہد میں بھی پندرہ سال تک اس میں اضافے کئے جاتے رہے ۔

خوابوں کا یہ شہر واقعی جنت نظیر تھا ۔ دنیا جہاں کی خوبصورتی خواہ وہ قدرتی تھی یا انسانی ہاتھوں کی فنکارانہ صلاحیتوں کی مرہون منت، اس شہر میں موجود تھی ۔ صاف ستھری نہریں ، سرسبز و پر فضا باغات، پر رونق اور کشادہ بازار، قصر شاہی کے زرق برق لباس پہنے ہوئے خدام، امراء و اعیان سلطنت غرض شہر کیا تھا روئے زمین پر جنت کا نمونہ تھا ۔ بہت سے شعراء نے اس کی خوبصورتی ، رونق اور چہل پہل کی تعریف میں قصیدے لکھے ۔ مگر یہ شہر جس کو تعمیر ہونے میں چالیس برس کا عرصہ لگا تھا اسے تباہ وبرباد ہو کر راکھ کا ڈھیر بننے میں بہت ہی کم وقت صرف ہوا ۔ اسے کل چالیس برس تک ہی قصر خلافت کی حیثیت حاصل رہی۔ پہلے تو الحاجب المنصور نے اقتدار پر قبضہ کر لینے کے بعد اس کے بجائے ایک نیا قصر ,,الزاھرۃ،، تعمیر کراکے اسے قصر خلافت قرار دیا ۔ بعدازاں بربروں کی بغاوتوں کے نتیجہ میں پھیلنے والی طوائف الملوکی نے اسے کھنڈرات میں بدل کر رکھ دیا ۔

الحمـراء :

الحمراء کو اگر مسلمانان اندلس کے سات سو سالـہ تعمیـری تجربات کا نچوڑ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔ اس کی عمارتیں اپنے عہد کے فن تعمیر کا انتہائی ترقی یافتہ نمونہ ہیں ۔ اگرچہ غرناطہ کے قریب سبیکہ نامی پہاڑی پر الحمراء نامی قلعہ کا ذکر نویں صدی عیسوی میں بھی ملتا ہے مگر شاہی رہائش گاہ کے طور پر یہ ناصری خاندان کے بانی محمد الاحمر کے برسر اقتدار آنے کے بعد تیرھویں صدی عیسوی میں جاکر کہیں منصّـہ شہود پر آیـا ۔ جہاں تک الحمراء کی وجہ تسمیہ کا تعلق ہے اسے یہ نام اس سرخ مٹی کی وجہ سے دیا گیا ہے جس سے اس قلعہ کی فصیل اور عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں ۔

۱۲۳۸ء میں محمد الاحمر نے سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی اس قلعہ کو اپنی رہائش کے لئے منتخب کیا اور اسے مرمت کرانے کے ساتھـ ساتھـ کچھـ عمارتوں کی تعمیر بھی شروع کرا دی جن کی تکمیل اس کے بیٹے محمد الثانی کے عہد میں ہوئی۔ البتہ الحمراء کے شاہی محلات کی تعمیر کی ابتداء کا سہرا اسی خاندان کے یوسف الاول کے سر ہے جس نے چودھویں صدی عیسوی کی چوتھی دہائی میں یہاں پر ,,ایوانہائے قمارش،، اور ,,باب العدل،، کے علاوہ چند مینـار اور حمام تعمیر کرائے تھے ۔ الحمراء کی زیادہ تر عمارتیں محمد الخامس کے عہد کی یادگار ہیں جس نے نہ صرف پہلے سے تعمیر شدہ ایوانوں کی تزئین و آرائش کا کام مکمل کرایا بلکہ ,,ساحة السباع،، اور اس سے محلق عمارتیں بھی اسی نے تعمیر کرائی تھیں ۔

الحمراء سے چند شاہی محلات پر مشتمل ایک قصر ہی مراد لینا درست نہ ہوگا بلکہ حقیقت میں یہ وسیع و عریض باغات پر مشتمل

ایک بیرون شہر اقامت گاہ تھی جس کی تعمیر پر بے انتہا رقم خرچ ہوئی تھی ۔ اس میں عظمت،شوکت اور تخیل کا ایک عجیب و غریب امتزاج پایا جاتا ہے۔ الحمراء کی عمارتیں مسلم فن تعمیر کے دیگر نمونوں کے برعکس بظاہر فرسودگی پذیر مسالے سے بنی ہوئی نظر آتی ہیں اور اپنی تمام تر آرائش و کمال کے باوجود غیر مستحکم تعمیراتی سامان سے تعمیر ہونے والی عمارتوں کی عمدہ مثال قرار دی جاتی ہیں ۔ مگر الحمراء کا صدیوں سے حوادث زمانہ کا مقابلہ کرتے چلے آنا اور بعض دیگر عمارتوں کی طرح صفحہ ہستی سے ناپید نہ ہونا اس خیال کی تردید کے لئے کافی ہے۔البتہ اس بات سے کلیۃً انکار ممکن نہیں کہ اس کی تعمیر میں ٹھوس عمارتی سامان کا استعمال بہت ہی کم ہوا ہے ۔ اس کی عمارتیں صرف عناصر اربعہ سے مرکب نظر آتی ہیں ۔ یعنی ان کی تعمیر میں اینٹیں ، لکڑی ، گچ اور پانی کے سوا کسی اور چیز کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ الحمراء مسلمانان اندلس کے دور انحطاط کی یادگار ہے جب مسلمانوں کی حکومت محض غرناطہ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی ۔ ایسی صورت میں ان کے لئے تعمیراتی پتھر ، سنگ مرمر یا اس قبیل کی دوسری چیزیں کہیں باہر سے منگوانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا ۔ لہذا وہاں کے فن کاروں نے وہاں پر دستیاب اشیاء ہی کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا ذریعہ بنایا اور دنیا کے لئے ایک شاہکار بطور یادگار چھوڑ گئے ۔

الحمراء جو ۲۲۰۰ میٹر رقبہ پر پھیلا ہوا ہے اپنی فصیل اور بائیس برجوں کی وجہ سے قلعہ دکھائی دیتا تھا ۔ یہ قصر شہر غرناطہ سے دو تین مقامات پر ملا ہوا ہونے کے باوجود اس سے جداگانہ حیثیت کا مالک تھا ۔ کیونکہ بیرونی دنیا سے اس کا براہ راست رابطہ موجود

تھا ۔ اس میں داخل ہونے کے لئے چار بڑے بڑے دروازے تھے جن میں سے سب سے قدیم اور اہم دروازہ جو جنوب مغربی جانب ہے باب الشریعة کہلاتا ہے ۔

بظاہر یوں نظر آتا ہے کہ الحمراء کے آرائشی کام کے منصوبہ سازوں نے کوئی نئی راہ ایجاد نہیں کی تھی ۔ کیونکہ یہاں کی آرائش میں حسب ذیل نقوش کا امتزاج پایا جاتا ہے ۔ عام کثیر الاضلاع اشکال جو دیواروں کے زیریں حصوں پر کثرت سے نظر آتی ہیں ۔ اس سے اوپر کے حصوں پر طغرائی شکل کے گل بوٹے ہیں جو طاقچوں کی قطار تک جاتے ہیں ۔ سب سے اوپر کتبات ہیں جن سے آرائش کا کام بھی لیا گیا ہے ۔ الحمراء کے گل بوٹے برابر کا ابھار دے کر ایک دوسرے کے ساتھ یوں ملائے گئے ہیں کہ سطح یکساں اور ہموار رہے ۔ الحمراء میں تصویر کشی اور بت تراشی کے نمونے بھی نظر آتے ہیں ۔ دیواروں پر تصاویر بنانے کے ساتھ ساتھ اس دور کے لوگوں ، ان کے لباس اور عادات وغیرہ کو سنگ تراشی کے ذریعے ابھار کر منقش کیا گیا ہے ۔

ٹائلوں کے کام میں اصول ہندسہ کے زاویوں کا محیّر العقول استعمال کاریگروں کے حسن تخیل کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔ الحمراء کے ہر حصہ میں یہ ہندسی اشکال اس حصہ کے مقاصد سے پوری طرح ہم آہنگ نظر آتی ہیں جو علامتی طور پر اختیار کئے گئے ہیں ۔ مثلاً قاعة العدل میں جو ہندسی اشکال ہیں ان کے مرکز میں ایک آفتاب نما دائرہ ہے جس سے پھوٹنے والی عدل و انصاف کی کرنیں اردگرد کو اپنے احاطہ میں لیتی نظر آتی ہیں ۔ اسی طرح ہر حصہ میں تحریر آیات و احادیث ، دعائیں،اشعار اور دیگر عربی عبارتیں مکمل طور پر اس حصہ کے مقاصد کی ترجمانی کرتی ہیں ۔ البتہ بنو الاحمر کا

خاندانی شعار ,, ولا غالب الا الله ،، هر حصه میں تحریر کیا گیا ہے۔ دیواروں پر ٹائلوں کے علاوہ زخرفة العرب (Arabesque) کا کام نہایت اعلیٰ معیار کا ہے۔ گنبدوں میں لاجوردی ، سنہرا اور ارغوانی کام اس قدر مہارت اور خوبصورتی سے کیا گیا ہے کہ ہیرے جواہرات کا دھوکہ ہوتا ہے۔ عمارت کی سطح پر گچ کی استر کاری کی گئی ہے جو رنگین ہے۔

الحمراء کے نازک ستون کہیں پر اکہرے ہیں اور کہیں پر دوہرے ۔ کسی پر نقش و نگار ہیں تو کوئی سادہ ۔ ستونوں کے تاج (Capitals) جن قاعدوں پر استوار ہیں وہ مدوّر ہیں اور انہیں لہر دار نقش و نگار سے مزین کیا گیا ہے۔ ان کے اوپر ایک مربع دے کر بڑی افراط سے طغرائی گل کاری کی گئی ہے ۔ چند ایک محرابوں کو چھوڑ کر اکثر محاریب میں خالص اسلامی طرز تعمیر مقرنس (Stalactite or Honeycomb) کا استعمال کثرت سے کیا گیا ہے۔ اس طرز تعمیر کے ذریعے ایک طرف اگر متعدد الجہت مختلف الزوایا ہندسی اشکال سے آرائش کا کام لیا گیا ہے تو دوسری طرف اس سے وسعت و کشادگی کے حصول کا مقصد بھی پورا کیا گیا ہے۔ نعلی یا نیم قوسی پیچ و خم والی یہ محرابیں اپنی خوبصورت نقاشی و گل کاری کی وجہ سے بے مثال حسن کی مالک ہیں ۔ ان محرابوں کے بالائی حصوں میں تھوڑا سا فاصلہ دے کر خوبصورت جالیاں بنی ہوئی ہیں جبکہ ان کے دریچے گل بوٹوں سے آراستہ ہیں ۔

آرائشی کام کی کثرت اور خوبصورت نقاشی و گل کاری کے لحاظ سے الحمراء کا سب سے مشہور اور عدیم المثال حصہ ,,فناء السباع ،، یا ,,دیوان الاسد ،، یا مأسدة ،، یا ,,بیت الاسود ،، ہے جیسا کہ مختلف مورخوں نے اسے موسوم کیا ہے۔ اس کے وسط میں ایک حوض

ہے جس کے اطراف میں بارہ شیر بنے ہوئے ہیں جن کے منہ سے پانی کی دھاریں گرتی تھیں ۔ شیروں والے اس حوض کے اردگرد کی تزئین کا مقابلہ الحمراء کا اگر کوئی اور حصہ کر سکتا ہے تو وہ اس سے ملحق ,,ساحة القضاء،، یا ,,قاعة العدل،، ہے۔ یہ دونوں حصے آرائش کے اعتبار سے ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں ۔

الحمراء اور اس سے محلق حماموں اور باغوں کے لئے پانی کا حصول اس طریق کار کی مرھون منت تھی جسے پختہ نالیوں (Aqueducts) کے نام سے پکارا جاتا ہے ۔ اس مقصد کے لئے جو پختہ نالیاں تعمیر کی جاتی تھیں انھیں ضرورت کے مطابق پلوں پر سے گزارا جاتا تھا تاکہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک آب رواں کی رسانی و روانی میں نشیبی علاقوں، وادیوں اور کھائیوں کی پستیاں رکاوٹ نہ بنیں ۔ اس طرح سبیکہ کی پہاڑی سے ان نہروں کے ذریعے الحمراء کو وافر پانی کی ترسیل ہمہ وقت جاری رہتی تھی ۔

الحمراء اگرچہ ,,القصبہ ،، کے ,,برج الحراسة،، سے شروع ہو کر ,,برج الماء ،، تک پھیلا ہوا ہے اور اس کی فصیل کے اندر القصبہ ، میدان الاجباب ، المَشْوَرْ (Mexuar) اصل الحمراء کے تینوں حصے ، چارلس پنجم کا محل جہاں پہلے مسجد ہوا کرتی تھی اور البرطل کے باغات وغیرہ واقع ہیں ۔ حتی کہ بعض حضرات الحمراء کی فصیل سے باہر کے ,,جنة العریف،، کو بھی الحمراء میں شامل گردانتے ہیں۔ مگر ہمارے لئے جو حصہ اہم ہے وہ اصل الحمراء ہے جس کی عمارتوں کو ان کی بناوٹ اور خصوصیات کی بنیاد پر تین ایسے بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کی حد بندی ممکن ہے ۔

ان میں سے پہلا حصہ وہ ہے جو ,,دار الشوری ،، یا ,,دار العوام ،، کہلاتا تھا جس میں ہر شخص کو جانے کی اجازت تھی ۔ یہیں سلطان داد رسی کیا کرتا تھا اور رعایا باریاب ہوتی تھی ۔ اس حصہ

میں ایک چھوٹی سی مسجد واقع تھی جس کی محراب کے آثار اب بھی باقی ھیں اور اس پر یہ الفاظ تحریر ھیں : ,,اھل غفلت میں شامل نہ رہ ۔ آ اور نماز پڑھ ،،۔آج کل یہ حصہ المَشوَر (Mexuar) یا سنہرا ایوان کہلاتا ہے اور اسے از سر نو تعمیر کیا گیا ہے۔

دوسرا حصہ دیوان خاص ہے جہاں معزز مہمانوں اور شاھوں کا استقبال کیا جاتا تھا اور یہی حصہ تخت گاہ سلطان بھی تھا ۔ یہ حصہ ,,فناء الریحان ،، یا ,,ساحۃ البِرْکہ ،، اور اس سے ملحق عمارتوں پر مشتمل ہے جو تقریباً ۳۷ میٹر لمبا اور ۲۴ میٹر چوڑا ایک مستطیل احاطہ ہے۔اس کے وسط میں تقریباً ۳۴ میٹر لمبا اور سات میٹر چوڑا تالاب ہے جس کے ارد گرد مھندی کے پودے لگائے گئے ھیں ۔ اسی تالاب کی وجہ سے یہ حصہ ,,ساحۃ البرکہ ،، کہلاتا ہے جبکہ مھندی کے پودوں کی مناسبت سے اسے ,,فناء الریحان،، بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے ارد گرد کی عمارتوں میں سے جنوبی اور شمالی حصوں کے چھجے سات سات جالی دار محرابوں پر قائم ھیں جن کے ستون مُقَـرْنَسْ تاجوں والے ھیں ۔ اس کی دیواروں پر قرآنی آیات اور اشعار خط کوفی میں تحریر ھیں ۔ اس کے شمال میں الحمراء کا سب سے بڑا اور بلند ترین ,,برج قمارش،، واقع ہے جس کی بلندی ۴۵ میٹر ہے۔ اس برج میں ,,قاعۃ السفراء ،، واقع ہے جس میں داخل ھونے کے لئے ,,البَرَکۃ،، نامی ھال سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس حصہ کی سب سے مزین اور منقش عمارت یہی قاعۃ السفراء ہے جس کا گنبد سیاہ دیودار کی لکڑی کا بنا ھوا خوبصورت چوب کاری (Wood work) کا شاھکار ہے۔ اس حصہ کے ستونوں کے تاج مقرنس ھیں اور دیواروں کے بالائی حصوں پر گچ سے بنے ھوئے گل کاری کے نمونے اور دیواروں کے زیریں حصوں پر ٹائلوں کا کام نہایت ھی اعلیٰ معیار کا ہے۔ محرابوں کے

اردگرد بنو نصر کے خاندانی شعار ,,ولا غالب الا اللہ ،، کی پٹی ہے۔اس سے اوپر دیواروں پر مختلف عربی عبارتیں تحریر ھیں ۔

تیسرا حصہ ,,فناء الاُسُوْد ،، یا ,,ساحۃ السباع،، ہے جس کے وسط میں شیروں والا فوارہ نصب ہے ۔ یہ دراصل شاھی حرم سرا تھا جو محمد الخامس کا تعمیر کردہ ہے۔یہ حصہ پورے غرناطہ میں مسلم فن تعمیر و آرائش کا سب سے خوبصورت اور لاجواب شاھکار ہے ۔

سنگ مرمر کا مرکزی فوارہ ۱۲ شیروں پر ایستادہ ہے جن کے منہ سے پانی کی دھاریں تالاب میں گرتی ھیں ۔ فوارہ کے حوض (Basin) کے بالائی کنارے کے چاروں طرف ابن زمرک کا ایک خوبصورت قصیدہ تحریر ہے ۔ صحن فوارہ کے اردگرد ۱۲۴ ستونوں کا نخلستان واقع ہے جن کے پیچھے چار بڑے بڑے ھال ھیں۔فناء الریحان کی طرف سے اگر اس حصہ میں داخل ھوں تو سب سے پہلے ,,مقرنس ھال ،، آتا ہے ۔ اس کی وجہ تسمیہ وہ تین مقرنس محرابیں ھیں جن کا رخ شیروں والے صحن کی طرف ہے۔ فناء السباع کے جنوب میں بنی سراج کا ھال ہے جو مربع ہے اور اس کے وسط میں فوارہ نصب ہے۔ اس ھال سے کئی داستانیں بھی منسوب ھیں ۔ اس صحن کے مشرقی جانب ,,قاعۃ الملوک،، یا ,,قاعۃ العدل ،، واقع ہے جو تین قبوں پر مشتمل ایک خوبصورت عمارت ہے ۔ ان قبوں کو چھوٹے چھوٹے حجروں کے ذریعے ایک دوسرے سے علیحدہ کیا گیا ہے ۔ ان کی چھتیں خوبصورت تصاویر (Paintings) سے مزین ھیں ۔ اس کی محرابیں بھی مقرنس طرز کی اور دوھری ھیں ۔ فناء الاسود کے شمال میں ,,قاعۃ الاختین،، ہے جس کا گنبد مقرنس طرز تعمیر کا نادر و نایاب شاھکار ہے۔ اس ھال میں روشنی کا انتظام بھی بہت عمدہ ہے۔ اس کی دیواروں پر ٹائلوں کا کام کیا گیا ہے جبکہ دیواروں کے زیریں حصہ پر ابن زمرک کا ایک

قصیدہ تحریر ہے۔ قاعۃ الاختین سے آگے لندراخا کا جھروکہ (Mirador de Daraxa) واقع ہے جس میں ٹائل کا کام پورے الحمراء کے مقابلے میں زیادہ متناسب اور چھوٹے چھوٹے ٹائلوں والا ہے۔ اس کے اور فناء الریحان کے درمیان شمال کی جانب مزین و منقش شاھی حمام واقع ہے۔

یہ تو تھا شاھی محلات اور ملحقہ عمارتوں کا ایک اجمالی تعارف ۔ اب ذرا کچھ باغات کا بھی تذکرہ ہو جائے جو الحمراء کے لئے وھی حیثیت رکھتے ھیں جو جسم کے لئے روح کی ہے۔ یوں تو الحمراء کے ہر حصہ میں مختلف قسم کے پودے ، درخت اور پھول لگائے گئے تھے مگر ان سب سے اھم اور خوبصورت باغ جنۃ العریف ہے جو الحمراء کی حدود سے باھر ہونے کے باوجود اس کا حصہ شمار ہوتا ہے۔

جنۃ العریف :

جنۃ العریف (Generalife) سلاطین غرناطہ کا گرمائی رھائش گاہ اور نزھت گاہ تھا جسے بنو نصر کے حکمرانوں نے حقیقتاً جنت نظیر بنا دیا تھا ۔ یہاں پر خوشبودار پودوں ، خوبصورت و خوش نما پھولوں، طرح طرح کے پھلدار درختوں اور سرسبز و سدابہار پودوں نے بے شمار تالابوں کو گھیر رکھا تھا ۔ اس شاھی باغ میں آکر تصنع اور بناوٹ کا شائبہ تک محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ یوں لگتا گویا انسان فطرت کی گود میں چلا آیا ہے۔ جنۃ العریف کی روشیں اس قدر تنگ تھیں کہ ان پر سے بیک وقت دو آدمی مشکل ھی سے گزر سکتے تھے ۔ اسی طرح وہ کمرے یا سائبان جہاں سے ارد گرد کا نظارہ کیا جاتا تھا بہت ھی چھوٹی چھوٹی اور مختصر سے رقبہ پر پھیلی ہوئی تھیں ۔ گویا ہر چیز کو اس کی فطری سادگی کے مطابق رہنے

دیا گیا تھا ۔ ماسینون (Massignon) کے بقول یورپی باغات میں فطرت کی سادگی کو مٹا کر حسن و دلکشی پیدا کی جاتی ہے جبکہ عربوں کے باغات میں فطرت کی سادگی کو برقرار رکھنے پر زور دیا جاتا ہے۔

جنة العریف سے الحمراء، شہر غرناطہ ، ازد گرد کے سرسبز قطعات اور مضافات کا بھرپور نظارہ کیا جا سکتا ہے ۔ سلاطین غرناطہ اسی جگہ بیٹھ کر روزمرہ زندگی کی روانی کا مشاهده کرتے ہوں گے ۔ جگہ جگہ رواں دواں پانی کی چھوٹی چھوٹی نہروں ، آبشاروں اور حوض و تالابوں نے اس شاهی باغ کو ایک دلکش و دلآویز نزهت گاہ میں تبدیل کر دیا تھا ۔ یہاں پر باغ کے مختلف حصے اوپر نیچے بنے ہوئے تھے ۔ اوپر کے باغات سے پانی سیڑھیوں کے ساتھ ساتھ آبشار کی صورت میں بہتا ہوا نیچے کے باغوں کو سیراب کرتا تھا ۔ یہاں کے مرکزی تالاب کی لمبائی کے رخ پر دونوں طرف سفید سائبان تھے جبکہ شمالی اور جنوبی کناروں پر گچ کاری کے کام سے آراستہ دو خوبصورت پویلین بنائے گئے تھے ۔ یہاں کے تقریباً ہر کمرے میں سے پانی گزرتا تھا جس سے گرمیوں میں یہ کمرے ٹھنڈے رہتے تھے۔ تالاب کے گردا گرد مہندی اور گلاب کے پودے اور سرو اور مالٹے کے درخت آج بھی ایستاده ہیں ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ وہ باغ جسے ابن زمرک نے غرناطہ کا تخت یا عرش قرار دیا تھا اس کے حسن و جمال کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جنت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے یہ باغ اس کی ہو بہو تفسیر نظر آتا تھا ۔ وہی سرسبز و گنجان درخت ، خوشبودار پھولوں سے لدے پودے ، ہر طرف صاف و شفاف پانی کی بے شمار نہریں ، لاتعداد حوض اور فوارے ، دلکش روشیں اور اردگرد خوبصورت عمارتیں ایسا منظر پیش کرتی تھیں کہ اس

میں کھو کر انسان ہر فکر و غم سے آزاد ہو جائے اور سوائے سرخوشی و شادمانی کے کیف آور لمحات کے اسے اور کچھ بھی یاد نہ رہے۔(۱۵)

سچ تو یہ ہے کہ ان محدود صفحات میں اندلس میں اسلامی فن تعمیر کی تفصیل کو سمونا ایک ناممکن سی بات ہے۔ ایک جھلک دکھانی مقصود تھی سو چند صفحات تحریر کر دیئے۔ ان عمارتوں میں سے بیشتر صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں۔ غارت گروں نے نہ صرف ان کا حسن لوٹا بلکہ ان کی اینٹیں اور بنیادیں تک اکھاڑ کر لے گئے۔ چند ایک عمارتیں اگر باقی بھی ہیں تو وہ اسی ظالمانہ تاخت و تاراج کی داستان سناتی نظر آتی ہیں۔ نفح الطیب میں مطمح الانفس کی عبارت اس مضمون کی نقل کی گئی ہے کہ بنو امیہ کے زوال کے بعد اموی حکمرانوں کی بنائی ہوئی عمارتیں منہدم ہو چکی تھیں اور اب ان میں بجائے انسانوں کے جنگل کے درندے اور چرند و پرند رہتے تھے۔ ابوالحزم بن محمد بن جھور (جو اموی دور حکومت کے آخری ایام میں حکومت قرطبہ کے منتظم رہے تھے) کا گزر ایک دن ان برباد عمارتوں کے پاس سے ہوا تو انہوں نے بڑی حسرت کے ساتھ یہ اشعار پڑھے :

قلت یوماً لدار قوم تفانوا

این سکانک العزاز علینا

فاجابت هنا اقاموا قلیلا

ثم ساروا ولست اعلم اینا

ترجمہ : جو قوم آپس میں لڑ لڑ کر فنا ہو گئی تھی میں نے ایک دن ان کے مسکن سے پوچھا : تیرے وہ مکین کہاں گئے جو ہمیں بہت ہی عزیز تھے ؟ اس نے جواب دیا کہ چندے انہوں نے یہاں قیام کیا تھا۔ پھر وہ روانہ ہو گئے ، میں نہیں جانتا کہ کدھر گئے (۱۶)۔

حوالہ جات

1. (الف) الازرقی، ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد، المتوفی ۲۵۰ھ ،
اخبار مکہ المشرفہ ۔ جلد اول ، ص ۱ ۔ ۲۰۰ (ملخصاً)،
مکتبہ خیاط ۔ شارع بلس ، بیروت ، لبنان .

(ii) Scerrato, Umberto
Monuments of civilization: Islam. pp. 17–19
Pub. Cassel, London.

(iii) Hoag, John D.
Islamic Architecture, Chapter I, p. 13
Pub. Abrams, New York.

2. ابن سعد ، محمد بن سعد بن منیع البصری الزہری، ابوعبداللہ ، المتوفی ۲۳۰ھ ۔
الطبقات الکبری ۔ جلد اول ، ص ۳۹۹ ۔ ۵۰۰ ،
دار صادر للطباعۃ والنشر ، بیروت ۔ ۱۹۵۷ء .

3. البخاری ، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل ،
صحیح البخاری ۔ کتاب اللباس ، باب التصاویر .

4. البخاری ،
صحیح البخاری ، کتاب اللباس ، باب عذاب المصورین یوم القیامۃ .

5. (i) Kuhnal, Ernst
Islamic Art and Architecture pp.
(English Translation by Kathrine Watson)
Pub. G. Bell and Sons Ltd., London.

(ii) Popadopolou, Elexander
Islam and Muslim Art, Part III
Pub. Harry N. Abrams, New York.

6. Kuhnal, Ernst,
Islamic Art and Architecture, pp.
(English Translation by Kathrine Watson).

7. Lehrman, Jonas,
Earthly Paradise, Garden and Courtyard in Islam pp. 41–84.
Pub. Thames and Hudson, London.

8. (i) Grabar, Oleg,
Islamic Architecture and its Decoration pp. 72–85.
Pub. Faber and Faber, London.

(ii) Wade David,
Pattern in Islamic Art. pp. 7–13.
Pub. Studio vista, London.

9. Michel, George, (Editor)
Architecture of the Islamic World. pp. 112–175
Pub. thames and Hudson, London.

10. (i) Hoag, John D.
Islamic Architecture. pp. 77–93.

(ii) Scerrato, Umberto
Monuments of Civilization: Islam. pp. 169–182.

(iii) Sordo, Enrique
Moorish Spain: Cordoba, Seville, Granada.
(English Translation by Ian Michael)
Pub. Elek Books, 14 Great James Street,
London, 1963.

11. (الف) المقری، احمد بن محمد ، ابو العباس،
نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب وذکر وزیرها لسان الدین ابن الخطیب ،
جلد اول ، ص ۲۱۲ ـ ۲۲۳.
ڈوزی وغیرہ ، مطبع ای ، جے برل ۱۸۶۰ء .
(ب) محمد عنایت اللہ ،
اندلس کا تاریخی جغرافیہ، دیکھئے ,,جامع قرطبہ،، ،
مقتدرہ قومی زبان ، اسلام آباد ـ ۱۹۸۶ء .
(ج) عنان ، محمد عبد اللہ ،
الآثار الاندلسیہ الباقیہ فی اسبانیا وبرتغال،
مطبوعہ ، مطبعہ مصر شرکہ مساہمہ مصریہ قاہرہ ، ۱۹۵۶ء .

(iv) Sordo, Enrique,
Moorish Spain, "cordoba",
(English Translation by Ian Michael)

(v) Papadopolou, Elexander,
Islam and Muslim Art pp. 252–257.

(vi) Castejon, Rafael,
La Mesquita Aljama De Cordoba
(English Version)
Pub. editorial Everest S. A. Leon,
Spain, 1988.

12. (الف) المقری ، نفح الطیب ، جلد اول ـ ص ۳۰۲ ـ ۳۰۳ .

(ii) Sordo, Enrique
Moorish Spain, "Cordoba"

13. (الف) محمد عنایت اللہ ،
اندلس کا تاریخی جغرافیہ ۔ دیکھئے ,,قرطبہ،، ،
مقتدرہ قومی زبان ، اسلام آباد .

(ii) Sordo, Enrique
Moorish Spain, "Cordoba"

14. (الف) المقری ، نفح الطیب ، جلد اول ، ص ۳۴۳ ۔ ۳۴۷ .
(ب) محمد عنایت اللہ ،
اندلس کا تاریخی جغرافیہ، دیکھئے ,,الزہراء،، ،
مقتدرہ قومی زبان ، اسلام آباد .

(iii) Sordo, Enrique
Moorish Spain, "Cordoba".

15. (i) First Encyclopaedia of Islam,
See "Alhambra"
E. J. Brill, 1987.

(ii) Sordo, Enrique
Moorish Spain, "granada"

(iii) Grabar, Oleg,
The Alhambra
Pub. Harvard University Press, Cambridge.

(iv) Sanchez, Miguel,
The Alhambra and the Generalife
(English Version by Karen otto de Garcia)
Published by Grefol S. A. Madrid
Spain, 1989.

16. المقری ، نفح الطیب ، جلد اول ۔ ص ۳۳۵ .

★★★

سپین میں معاشی و معاشرتی ترقی

(اموی دور خلافت)

ڈاکٹر محمد اکرم

محمد ساجد خان

سپین خطہ ارضی میں یورپ کا ایک خوبصورت حصہ ہے۔ اسے اندلس ، سپین یا جزیرہ نمائے آئی بیریا بھی کہتے ھیں ۔ جغرافیائی اعتبار سے اندلس کے تین اطراف پانی اور ایک طرف خشکی ہے۔ اس خطہ کے مغرب میں بحراوقیانوس، جنوب میں اُبنائے جبل الطارق ، مشرق میں بحیرہ روم اور شمال میں فرانس واقع ہے۔

مسلمانوں سے پہلے اندلس کے شہروں میں جا بجا دلدلیں اور غلیظ جوھڑ تھے گلیوں میں فضلے کے ڈھیر لگے رھتے تھے ۔ گھر کے تمام افراد اپنے مویشیوں سمیت ایک ھی کمرے میں سوتے تھے ۔ نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پاپائے روم نےسسلیاور جرمنی کے بادشاہ پر کفر کا فتوی لگایا تو فہرست الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ وہ ھر روز مسلمانوں کی طرح غسل کرتا ہے۔ غلیظ جسم اور جوؤں کی یہ کثرت تھی کہ جب برطانیہ کا (Pope) بڑا پادری باھر نکلتا تو اس کی قبا پر سینکڑوں جوئیں چلتی پھرتی نظر آتیں ۔ فرانس کے ایک دریا کے کنارے انسانی گوشت کی کتنی ھی دکانیں تھیں ۔ یورپ صدیوں تک وحشت،بربریت اور تہ بہ تہ جہالت میں گرفتار رھا ۔ وھاں تہذیب و اخلاق کا کوئی تصور نہیں تھا ۔ گبن (Gibben) لکھتا ہے اتنے طویل تاریخیزمانے میں بدی کی یہ کثرت اور نیکی کی یہ قلت اور کہیں نظر نہیں آتی ۔ گاتھ قوم کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ

ان وحشیوں کے ہولناک افعال کے ذکر سے تاریخ کے صفحات کو آلودہ نہیں کرنا چاھتا تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لیئے خلاف انسانیت افعال کی مثال زندہ رکھنے کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہو (۱) ۔

قانون و قضا فاتح قوم کی ذمہ داری تھی جبکہ محاصل وغیرہ کی ذمہ داری گورنر کی تھی جو کہ اھل اندلس کی نسل سے ہوتا تھا (۲) ۔

زیر نظر مضمون میں ہم مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے کہ اموی دور خلافت میں سرزمین اندلس پر ، معاشی و معاشرتی ترقی کا سورج کس آب و تاب سے چمکا :

فاران کی چوٹیوں سے بلند ہونے والے سورج کی کرنیں بالآخر یورپ میں بھی آن پہنچیں ۔ صحرائے عرب کے شتربان گھوڑوں کی پیٹھوں پر بیٹھے ایشیاء اور افریقہ کے جنگلات کو پاؤں تلے روندتے ہوئے یورپ کے ساحلوں تک پہنچے ۔ ,,ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست ،، کی صدا میں نعرہ تکبیر بلند ہوا ۔ ایران روم اور اھل چین کی طرح صلیب کے فرزندوں نے بھی مسلمانوں کے لہو کی گردش اور تلواروں سے نکلی ہوئی بجلیاں دیکھیں ۔ اور ساتھ ھی ساتھ تہذیب و تمدن کی ایک نئی دُنیا جلوہ گر ہوئی ۔

ان کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے ۔ منہ کے بل گر کے ,,ھواللہ احد ،، کہتے تھے ۔ انہوں نے عالم عشق و مستی میں روشنی کی رفتار سے وقت کے صحیفوں میں عزم و ہمت کی داستانیں رقم کیں اندلس کا دور خلافت ماضی اور حال کے سیاہ یورپ کی تاریک شب میں دمکتا ہوا مہتاب ہے ۔ عظیم اندلس کے علمی عظمت کے پہاڑ آج بھی انسانیت پر سایہ فگن ھیں ۔ کائنات کے اسرار و رموز کی تلاش میں خلاؤں کی طرف سائنس کا یہ سفر ایسا ہے جس کی بنیادوں میں

آج بھی غرناطہ اور اشبیلیہ کی جامعات کا رنگ بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

تاجداران اندلس نے جہاں ظلمت و جہالت کو دور کرنے کے لیئے یونیورسٹیاں قائم کئیں اور ثقافتی لطائف پیدا کیے وہاں انہوں نے عوام کی خوشحالی میں اضافہ کرنے اور ملک کی دھن دولت بڑھانے کے لیئے صنعت و حرفت کی طرف بھی پوری توجہ دی ۔ ذیل میں ہم اندلس کی چند اہم صنعتوں کا ذکر کر رہے ہیں ۔

اندلس کے شہروں میں ریشم کا کپڑا بڑی کثرت سے پالا جاتا تھا اور اس سے حاصل شدہ ریشم سے کپڑے بنے جاتے ۔ ابن حوقل کا کہنا ہے کہ ,,میں نے پوری دنیا میں اندلس کے کپڑوں جیسے کپڑے نہیں دیکھے اور نہ ہی ایسے کاریگر روئے زمین پر موجود ہیں " ۔ (۳)

ایس پی سکاٹ لکھتا ہے کہ کپڑا بننے میں مسلمانان اندلس کو کمال حاصل تھا اور ان کی ہم عصر کوئی قوم ایسا کپڑا نہیں بن سکتی تھی ۔ نہ معلوم وہ رنگ کیسے غیر معمولی تھے ۔ جن سے ان کپڑوں کے سوت رنگے جاتے ۔ (۴)

اندازہ لگایا گیا ہے کہ اندلس میں ریشم کے کپڑے بننے والے کارخانوں کی تعداد آٹھ سو تھی ۔ ان میں سے ہر کارخانے میں ہزاروں کاریگر کارکن کام کرتے ۔ اندلس کی چار کروڑ کی آبادی میں سے ایک کروڑ آبادی صرف ریشمی کپڑا استعمال کرتی تھی ۔ جن دنوں اندلس کے عام شہری یہ کپڑا استعمال کرتے ، یورپ کے باقی حصوں میں یہ کپڑا صرف بادشاہوں کے لیئے مخصوص تھا ۔ (۵)

اندلس کے چند شہر کپڑے کی صنعت میں بہت مشہور تھے ۔ ان کے نام یہ ہیں ۔ ۱ ۔ المریہ ۔ یہاں ریشمی کپڑا ، کمخواب ، زربفت اور دھوپ چھاؤں کا ایک سفید گلدار کپڑا تیار کیا جاتا ۔

۲ ۔ باجه ، قلعه رباح : یہاں پر کپڑوں کی کڑھائی کا کام بڑی نفاست سے کیا جاتا ۔

۳ ۔ غرناطه : یہاں دھاری دار کپڑا تیار ہوتا تھا ۔

۴ ۔ نیپلز : اس چھوٹے سے شہر میں ریشمی اور زری پارچے تیار ہوتے ۔ ان کپڑوں کے علاوہ حریر، دیبا ، سمور ، وبر اور پوستین سے بھی کپڑے بنائے جاتے ۔ (۶)

سوتی کپڑے کے کارخانے چار ہزار سے زیادہ تھے یہاں کا سلک بھی اپنی مثال آپ تھا ۔ مرینه میں پشم اور اون بھی بڑی بہترین تیار ہوتی ۔ بعض کارخانے تو صرف شاهی لباس تیار کرتے تھے ۔ کپڑے کی صنعت پر اندلس کی ایک تہائی آبادی کا انحصار تھا ۔ دنیا بھر میں یه کپڑا برآمد کیا جاتا (۷)

لوھے کی مرصع کاری کا کام ، فلزات ، اور آلات جنگ بنانے کی صنعتیں اندلس میں خوب پھیلی ہوئی تھیں ۔ ,,لبرزلی " جو فرانس کا علاقه تھا اور عربوں کے تسلط میں تھا کی تلواریں بہت قیمتی سمجھی جاتیں ۔ چھریاں،قینچیاں اور دیگر نازک آلات مریه ، طلیطله ، اور بلرم کے شہروں میں بنائے جاتے ۔ اشبیلیه کی زرھیں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھیں ۔ (۸) اس شہر کی تلواریں لوھے کی موٹی سلاخیں کاٹ دیتی تھیں یه تلواریں خوب دھاری دار ہوتیں اور اس پر سونے کے نقش و نگار کئے ہوتے ۔ امراء کی تلواروں پر جواھرات لٹکتے اور قرآنی آیات کنده ہوتیں ۔ (۹)

اندلس کا شہر شاطبه روزانه کئی ہزار ٹن کاغذ تیار کرتا تھا ۔ شاطبه کی آدھی آبادی کا روزگار کاغذ کی صنعت سے وابسته تھا ۔ گھروں میں چھوٹے چھوٹے کارخانے بھی موجود تھے ۔ جو ھلکا کاغذ تیار کرتے ۔ علم و ادب کی سرپرستی کی وجه سے کاغذ کی سب سے

بڑی خریدار حکومت وقت تھی ۔ شاطبہ کا کاغذ موجودہ دور کے کاغذ سے کسی طرح بھی کم نہ تھا ۔ اندلس میں جو کاغذ بچ جاتا وہ یورپ کو برآمد کر دیا جاتا ۔ قرطبہ میں بیس ہزار تاجر صرف کاغذ کا کام کرتے تھے ۔ (۱۰) عربوں نے چیتھڑوں کی بجائے روئی سے کاغذ بنانے کی ٹیکنالوجی کا آغاز کیا ۔ (۱۱)

اندلس کے لوگوں نے بجلی کا کام پانی سے لیا ۔ وہ دریاؤں پر عجیب قسم کے بند باندھ کر پانی کو اوپر لے جاتے اور پھر بہتے ہوئے پانی کی شدت سے اپنے کارخانے چلاتے ۔ قرطبہ کے اکثر کارخانے پانی ھی سے چلتے تھے ۔ غرناطہ کے شہر پناہ کے اندر اور باھر ایک سو تیس پن چکیاں چلتی تھیں ۔ (۱۲)

لکڑی کے کام میں سیپ اور ھاتھی دانت کا استعمال وہ صنعت ہے جسے اندلسیوں نے اوج کمال تک پہنچایا ۔ مساجد کے دروازے ، منبر، چھتیں ، تختے، باریک جالیاں ، کھڑکیاں اور کڑوں میں نہایت نفاست سے ھاتھی دانت لگائے جاتے ۔ عربوں نے ھاتھی دانت پر کندہ کاری بھی خوب کی (۱۳) ۔ ھاتھی دانت پر بادشاھوں کے نام اور تصاویر کندہ کی جاتی تھیں(۱۴)۔

اندلسی مسلمان چمڑے سے کپڑا بنا لیتے تھے ۔ قرطبہ اس صنعت میں بہت مشہور تھا ۔ یہ صنعت اندلسیوں کے بعد دم توڑ گئی ۔ شاھی کتب خانوں کی کتابوں کی جلدیں انھیں کپڑوں سے تیار کی جاتی تھیں ۔ (۱۵)

کانیں معدنیات کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ھیں ۔ اندلسیوں نے لوھے اور چاندی کی کانیں دریافت کیں اس کے علاوہ پارہ کی کان سے پارہ بھی نکالتے تھے اور دواؤں میں استعمال کرتے تھے ۔ اور ,,بجاویکا،، کے پاس کانوں سے یاقوت نکلتا تھا ۔ سواحل اندلس کے قریب مرجان اور ,,طراغونہ،، کے قریب موتی نکالے جاتے تھے (۱۶)۔

انہوں نے سونا ، چاندی ، لوھا ، تانبا ، شیشہ اور قیمتی پتھر خوب نکالے اور ملک کی دولت میں اضافہ کیا ۔ صرف پارہ کی کانوں میں ایک ہزار مزدور کام کرتے تھے ۔ کانوں کے مزدوروں کو بےشمار اجرتیں اور مراعات دی جاتی تھیں ۔ آج کل کے امریکہ کی طرح اس وقت کے مزدور ھڑتالیں نہیں کیا کرتے تھے (۱۷)

اندلس میں چینی اور شیشے کے بہت ھی عمدہ برتن بنتے تھے جو دوسرے ملکوں میں بھی برآمد کیے جاتے ۔ شیشے کے برتنوں کی صنعتیں ,,دانیہ،، ,,غرناطہ،، ,,بطلہ،، اور ,,طلیطلہ،، میں تھیں (۱۸) کانچ، شیشہ اور لوھے کے برتن المریہ میں بہت بنتے تھے ۔ (۱۹) ملاغنہ میں ایک سو سے زائد ایسے کارخانے تھے جہاں صرف چینی کے برتن بنتے تھے ۔ برتنوں پر عجیب و غریب قسم کے بیل بوٹے ھوتے ۔ بعض برتنوں کے کناروں پر سونے اور چاندی کی پتیاں بنی ھوتی تھیں اور ان پر رنگ کیا جاتا ۔ دنیا بھر کے بازاروں میں ملاغنہ کے برتنوں کی منڈیاں تھیں (۲۰) ۔

اندلس میں ایسے کارخانے تھے جنہیں دارالصناعۃ کہتے ۔ ان میں تیر سے لے کر توپ تک ھر چیز بنتی تھی اور وقت کی جدید ترین ٹیکنالوجی استعمال کی جاتی (۲۱) ۔

لوھے کے صندوق بنانے میں اندلسی مسلمان ساری دنیا سے بازی لے گئے تھے ۔ کئی سو سال بعد یورپین کاریگر یہ صندوق دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے اور لاکھ کوشش کے باوجود ایسے صندوق نہ بنا سکے ۔ ان صندوقوں کے خانے اس قدر پیچیدہ ھوتے کہ چابیوں کے باوجود ناواقف انسان انہیں نہیں کھول سکتا تھا ۔ اگر چابی گم ھو جاتی تو وھی صناع تلاش کرنا پڑتا جس نے صندوق بنایا ھوتا ۔ (۲۲)

دور خلافت میں ایک پریس بھی کام کرتا تھا جس پر عبدالرحمن الناصر کے احکامات چھپتے تھے ۔ (۲۳) باوجود تلاش کے

اس پریس کے بارے میں خاطر خواہ مواد نہیں مل سکا ۔

چٹائیاں ایک خاص قسم کی گھاس سے تیار کی جاتی تھیں اور مسجد میں استعمال کی جاتیں ۔ گھروں کے لیئے قالین بنائے جاتے جن پر رنگ برنگ گل بوٹے اور تصویریں ہوتیں ۔ یہ صنعت ,,مرسیہ ،، ,,لقنت،، اور ,,لونکہ،، میں تھی (۲۳)

,,سارا گوسہ ،، کے پہاڑوں سے سفید رنگ کا بہترین نمک حاصل کیا جاتا یہ دوسرے شہروں اور ,,لوبزا ،، کے جزیرے میں بھی دستیاب تھا ۔

نمک ٹیکنالوجی کے ذریعے بھی حاصل کیا جاتا ۔ اندلس میں پانی سے چلنے والی تیل صاف کرنے کی صنعتیں بھی تھیں ۔ ہسپانوی عربوں کی تیل کی صفائی کے طریقۂ کار نے تیل کے معیار کو بہت بڑھا دیا تھا ۔ چنانچہ یہاں کے تیار کیے ہوئے تیل کی طلب باہر کے ملکوں میں بھی بہت تھی ۔

درج ذیل اقتباس میں اسپین کی خوبصورتی و دلکشی کو نہایت خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے : ,,شہر غرناطہ بڑے بڑے شاہی باغوں میں اور گھنے درختوں میں گھرا ہوا ہے ۔ ہر طرف باغ ہی باغ ہیں گویا وہ کسی حسین کا چہرہ ہے اور باغ اس کے رخسار اور اس کی وادی کسی نازک کلائی کی مانند ہے ۔ شہر کے اطراف میں کوئی جگہ انگوروں کی بیلوں سے خالی نہیں ۔ شہر کا نشیبی حصہ اس قدر سر سبز کہ اس کی قیمت کا اندازہ نہیں ۔ شاہی باغات ایک سو کی تعداد میں ہیں اور اپنے خوبصورت منظر، سرسبزی ، سیرابی ، زمین کی عمدگی اور اشجار کی کثرت کے لحاظ سے بے مثل ہیں ۔ وادی سنجل پر نظر نہیں ٹکتی اور زبان اس کی تعریف سے قاصر ہے ۔ اس کی نہریں ہر وقت لہریں لیتی ہیں ۔ جب ان میں اشجار کا عکس اور بلند مقامات کی روشنی پڑتی ہے تو ان میں

باغوں کی تصویر اتر آتی ہے ان باغوں میں ایسے درخت بھی ہیں جو بار بار پھل لاتے ہیں ۔ وادی غرناطہ کے پانی کا بہاؤ ایسی ریت پر ہے جو زراعت کے لیئے اکسیر ہے اس پر درختوں کی چھاؤں ہمیشہ رہتی ہے۔ اہل شہر ان باغات میں فراغت کے لمحات گزار کر لطف و لذت حاصل کرتے ہیں ۔ جب باد نسیم چلتی ہے تو غرناطہ کے اشتیاق میں سوزش قلب اور شوق دید پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ خلا ہے جس میں حسن رچ گیا ہے ۔ (۲۵)

عربوں نے فن زراعت اور باغبانی سے پورے اندلس کو جنت ارضی میں بدل دیا ۔ زمینوں کو سرسبز و شاداب کر دیا ، کنویں کھود کر پانی کی کمی پوری کر دی گئی ایک ایک میل کے درمیان کئی کنویں کھودے گئے ۔

زرعی ترقی کیلئے کئے گئے چند اہم اقدام ملاحظہ فرمائیں :

پانی کو اکٹھا کرنے اور بوقت ضرورت استعمال میں لانے کے لئے زمین پر مناسب فاصلوں پر تالاب بنائے گئے ۔ ان تالابوں کا طول تین تین میل اور گہرائی پچاس فٹ تک ہوتی ۔ یہ تالاب ایک طرح سے قدرتی جھیلوں کا کام کرتے تھے (۲۶) ۔

دریاؤں پر کئی بند باندھے گئے تھے جو بہت اونچے اور مضبوط تھے ۔ ,,الخر ،، کے بند کی لمبائی دو سو چونسٹھ فٹ اور اونچائی باون فٹ تھی ۔ ,,مرسیہ ،، کے قریب دریائے ،، صفورہ ،، پر جو بند باندھا گیا وہ سات سو ساٹھ فٹ لمبا اور چھتیس فٹ اونچا تھا ,,بلنسیہ،، کے ایک اور بند کی لمبائی سات سو بیس فٹ تھی (۲۷) ۔

اندلس میں زیر زمین نہریں بھی تھیں جنہیں آب دوز کہتے تھے ,,المنزورہ ،، کے آب دوز کی لمبائی پانچ سو فٹ اور قطر چھ فٹ تھا ۔ ,,مراویلا ،، کا زیر زمین ترناب ایک میل لمبا اور تین فٹ چوڑا تھا ۔ ,,کری کونٹ ،، کے ترناب کی لمبائی ۵۵۹۵ فٹ تھی اور

چوڑائی تیس فٹ ۔ ان آبدوزوں کے ذریعے اندلس کے چپے چپے کو سیراب کیا گیا تھا ۔ (۲۸)

آب رسانی کی تقسیم کے لیئے حکومت کا دیانتدار عملہ کام کرتا تھا ۔ پانی کی تقسیم میں جو جھگڑے ہوتے ان کو مکاشتکاروں کی پنچائیت حل کرتی اس کا اجلاس ہر جمعرات کو مسجد کے دروازے پر ہوتا ۔ حکومت اس پنچائیت کے فیصلوں کا احترام کرتی (۲۹)

اندلس میں زمین کی پیداوار بڑھانے کے لیئے کھاد استعمال کی جاتی تھی ۔ گورنمنٹ نے ہر بستی میں بڑے تالاب بنائے تھے ۔ جن میں کوڑا کرکٹ جمع کیا جاتا ۔ تالاب بھر جانے کے بعد کاشتکاروں میں تقسیم کر دیا جاتا ۔ (۳۰)

اندلسی مسلمان فصلو ں اور پھلوں وغیرہ کو تباہ و برباد کرنے والے کیڑوں کو مارنا بھی خوب جانتے تھے ۔ ان کے ہاں ایسی دوائیاں استعمال ہوتی تھیں جو ایسے کیڑوں کے لیئے زہر کا کام دیتیں ۔ (۳۱)

زراعت میں جدید ٹیکنالوجی کے فروغ کیلئے دیہات میں شام کے وقت کلاسیں ہوتی تھیں ۔ جہاں کاشتکاروں کو تعلیم دی جاتی تھی انھیں پودوں کے خواص اور پیداوار بڑھانے کے طریقے سمجھائے جاتے ۔ ہر کاشتکار اپنے فن میں مولا تھا اور پودوں کی بیماریوں کو جانتے کے ساتھ ساتھ ان کا علاج بھی جانتا تھا ۔ اندلس کے ہر بڑے شہر میں زراعتی کالج اپنی وسیع تجربہ گاھوں اور کتب خانوں کے ساتھ موجود تھے ۔ (۳۲)

مسلمانوں کے دو سو سالہ دور اندلس میں غلے کے ذخیرے دریافت ہوئے جہاں غلہ اپنی اصلی اور تازہ حالت میں موجود تھا ۔ اس گندم سے تیار کی ہوئی روٹی بالکل تازہ گندم سے تیار کی ہوئی روٹی کی مانند ہوتی تھی (۳۳) ۔ ان اقدامات سے معلوم ہوتا ہے کہ زرعی ٹیکنالوجی میں وہ لوگ کس قدر آگے نکل چکے تھے ۔

اندلسی ان ذخیروں میں پھلوں کو بھی محفوظ کرتے اور تازہ پھل اور ذخیروں سے نکلے ہوئے پھلوں میں امتیاز کرنا مشکل ہوتا تھا (۳۴) ۔

اندلس کے مسلمانوں نے لیموں، شہتوت، کھجور، کیلا، انار، پستہ، بادام، چاول، تل، پالک، سیاہ مرچ اور زعفران وغیرہ اگائیں(۳۵)۔

شکر عربوں کی ایجاد ہے۔ انگور کی فصل کو خوب خوب ترقی ہوئی ۔ ایک ناشپاتی ڈیڑھ کلو وزن کی ہوتی ۔ سیب اور خربوزوں کا بھی یہی حال تھا (۳۶) زیتون کی پیداوار کئی لاکھ گیلن تھی (۳۷) ۔

گھوڑوں کی پرورش ، ریشم کے کیڑوں کی نگہداشت اور شہد کی مکھیاں پالنے میں اندلسی سب سے آگے تھے ۔ ,,ملاغنہ ،، اور ,,المیریہ ،، کے وسیع رقبے میں شہتوت کے باغات تھے جن میں ریشم کے کیڑے پالے جاتے تھے ۔ بھیڑوں کے پالنے کے لیئے الگ محکمہ تھا جس کی محنت کی وجہ سے بھیڑوں سے نرم اور گرم اون حاصل کی جاتی ۔ (۳۸)

معاشرتی ترقی کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں :

حکومت کے بےشمار میدانوں میں سےعوام کی عمومی دلچسپی کا میدان صرف رفاہ عامہ کے کام ہوتے ہیں ۔ عام لوگوں کو حکومت کی داخلہ و خارجہ پالیسی نیز فوج اور فتوحات وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی وہ تو بس یہ دیکھتے ہیں کہ حکمرانوں نے فلاح و بہبود کا کیا کام کیا تھا ۔

تاریخ کے صفحات میں اندلس کا ادارہ خلافت اس خدمت میں پیش پیش ہے ۔ رفاہ عامہ کے کام کی وجہ سے عام شہری خوش و خرم اور ہر قسم کے معاشی غم سے آزاد تھا ۔ رفاہ عامہ کی چند تفصیلات یہ ہیں ۔

علامہ مقری کے نزدیک اندلس میں اسی (۸۰) بڑے شہر تھے اور تین سو چھوٹے شہر جبکہ صرف ایک دریا کے کنارے بارہ سو گاؤں آباد تھے اندلس کی آبادی دور خلافت میں ایک ملین سے زیادہ تھی ۔ دنیا کی دو تہائی دولت صرف ان ایک ملین افراد کے پاس تھی ۔ اندلس میں آبادی درج ذیل افراد پر مشتمل تھی ۔

۱ ۔ مسلمان (عرب اور بربر)

۲ ۔ غلام (مسلم یا غیر مسلم)

۳ ۔ نو مسلم (مقامی اندلسی)

۴ ۔ عیسائی ۔

۵ ۔ یہودی

ایم سی کیب کے مطابق اندلس کی آبادی ۳،۰۰،۰۰،۰۰۰ (تین کروڑ) تھی ۔

خلیفہ عبدالرحمن سوئم اندلس میں سب سے زیادہ جاہ و حشمت والا فرمانروا گزرا ہے ۔ الناصر انتہائی ذھین اور مدبر انسان تھا ۔ ہر کام خود کرتا اور سلطنت کے امور میں دلچسپی رکھتا تھا ۔ اس نے امراء پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیا تھا ۔ عوام کے ساتھ اس کا رویہ بہت بہتر تھا ۔ اس نے سارے ٹیکس معاف کر دیئے کاشتکاروں کو غیر معمولی سہولتیں دیں ، نہروں کے جال بچھا دیئے ، کاشتکاروں میں نہروں کا پانی فیاضی سے بانٹا جاتا تھا ۔ نہر کے ہر ٹکڑے کا انتظام مقامی لوگوں کے پاس تھا ۔ جہاں نہر نہیں جا سکتی تھی وہاں پائپ بچھا دی گویا ہر جگہ پانی کی افراط تھی ۔ تجارت کی سہولت کے لیئے تجارتی بیڑہ بنایا جس پر اندلس کے تجار دنیا بھر کا گشت کرتے ۔ عبدالرحمن الناصر کے دور میں اندلس میں میونسپل کمیٹیاں کام کرتی تھیں ۔ شہر کے ہر گلی کوچے میں پکے

فرش تھے ۔ نالے ڈھکے ہوئے تھے اور بعض نالے تو اتنے بڑے تھے کہ نیچے سے بیل گاڑی گزر جاتی ۔ گلی کوچوں میں صفائی کا معقول انتظام تھا اور رات کو تمام شہر بقعہ نور بن جاتا ۔ آمدورفت اور ٹریفک کے کنٹرول کے لیے الگ سے پولیس تھی ۔ڈاک کے انتظام کے لیئے گھوڑے تھے ۔ جو انتہائی تیز رفتار تھے ۔ ملک بھر میں کوئی صناع ، مزدور یا کاریگر بےکار نہ تھا ۔ (۳۹)

ملک کے ہر حصے میں عوام کی فلاح و بہبود کے لیئے عمارتیں بنتی رہتی تھیں نئے نئے پل بنتے نہریں کھدتیں (۴۰) ۔ ملک کے ہر حصے میں سرکاری خرچ سے ایسے ادارے قائم تھے ۔ جہاں محتاج ، اپاہج ، بیمار اور اسی طرح کے دوسرے لوگ رہتے ، اور ان کا تمام خرچ حکومت کے ذمہ ہوتا ۔ اندلس کے معذور لوگوں کے اخراجات بادشاہ اپنی جیب خاص سے ھی ادا کرتا تھا ۔ قرطبہ میں ایسے کئی سو ادارے تھے جو یتیموں کی پرورش کرتے تھے ۔ قرطبہ شہروں کی دلہن تھی ایک لاکھ تیرہ ہزار اعلی درجہ کے پکے مکانات تھے ساری سڑکیں پتھر کی تھیں ۔ گرمیوں میں ہر جگہ خیمے تان دیئے جاتے تاکہ مسافروں کو تنگی نہ ہو ۔ اسی ہزار چار سو دکانیں ، سات سو مساجد، نو سو حمام اور چار ہزار تین سو گودام صرف قرطبہ میں تھے ۔ شہر کے گرد مضبوط فصیل موجود تھی ۔ ڈھائی فرسنگ سے ایک پائپ لائن شہر میں لائی گئی تھی یہ پائپ لائن شہر کو پانی مہیا کرتی تھی ۔ گھر گھر فوارے اور چوکوں پر حوض بنے ہوئے تھے ۔ شاھی محلات کو جانے کے لیئے وادی کبیر کے پل سے گزرنا پڑتا تھا ۔ شہر میں کوئی شخص پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس یا بھیک مانگتے نہیں دیکھا گیا تھا ۔ شہر کے باھر سات آبادیاں مزید تھیں ہر طرف نہریں بہہ رہی تھیں اور نہروں کے کنارے پھولوں کی کیاریاں تھیں تعلیم

مفت تھی ہر درجہ کا شہری اعلی تعلیم مفت حاصل کر سکتا تھا ۔ تحقیقات کے لیئے حکومت کی طرف سے مفت سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں ۔ کتابوں کی اشاعت حکومت کے ذمہ تھی ۔ ماہرین علوم و فنون کو کتب خانوں اور تجربہ گاھوں کی وسیع پیمانے پر سہولت موجود تھی اھل علم لوگوں کو بڑے بڑے انعام ملتے نیز وظائف اور مشاھیر مقرر تھے ۔ (۴۱)

الحکم کے دور میں اھل علم کے وارے نیارے ھوئے ۔ اندلس کا ھر فقیہ محدث ، فلسفی ، عالم اور شاعر شاھی خزانے سے وظیفہ پاتا ۔ الحکم نے بستی بستی درس گاھیں کھول دیں ھر شخص لکھنا پڑھنا جانتا تھا (۴۲) الحکم کو تعمیرات کا بھی شوق تھا (۴۳) ۔

لیون کی فتح کے بعد جب المنصور واپس قرطبہ پہنچا تو اس نے دونوں ھاتھوں سے دولت شہریوں میں بانٹی ۔ منصور نے بہت سی عمارتیں بنوائیں، مسجدیں بنوائیں(۴۴). جامع مسجد کی بنیاد رکھی(۴۵) قرطبہ کے دریا پر ایک نیا پل بنوایا اس پر ایک لاکھ چالیس ھزار دینار خرچ ھوئے ۔ المنصور نے ایک اور پل ,,اشتجر ،، میں دریائے ,,شنیل ،، ، پر بھی بنوایا (۴۶) ۔

ابن ابی عامر المنصور رات کو کم سوتا قرطبہ کا گشت کرتا اور جرائم کی ٹوہ لگاتا چنانچہ اس کی رعایا خوشحال تھی (۴۷) ۔

حمام مسلمانوں سے پہلے اندلس میں نہیں تھے ۔ مسلمانوں نے گرم پانی کے حمام قائم کیئے ۔ نہ صرف شہروں میں بلکہ مسلمانوں کے زیر اقتدار دیہاتوں میں بھی حمام موجود تھے ۔ قرطبہ جو نصف سے ایک ملین آبادی کا شہر تھا یہاں تین سو حمام عبدالرحمن الناصر کے وقت اور چھ سو حمام وزیر اعظم ابن ابی عامر المنصور کے وقت موجود تھے (۴۸) ۔

اندلس نے دسویں سے بارھویں صدی کے درمیان طب میں بھی قابل قدر ترقی کی ۔ دور خلافت میں صرف قرطبہ میں چالیس پچاس ھسپتال تھے ۔ عبدالرحمن دوئم کے وقت عراق کے تربیت یافتہ طبیبوں نے قرطبہ میں ,,کلیۃ الطبیہ " کھولا ۔ چنانچہ اس کلیہ نے اندلس کو بہت سے سرجن اور طبیب دیئے (۴۹)

اس مقالہ میں ھم نے عمارتوں ، فنون اور مشہور شہروں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کے لیئے ایک الگ سے دفتر درکار ہے۔ مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکالنے میں آسانی ھو جاتی ہے کہ سپین اموی دور خلافت میں معاشی اور معاشرتی ترقی کے لحاظ سے عروج پر تھا اور یہ کہنا بھی بجا ھو گا کہ اس وقت کا سپین موجودہ دور کے سپین سے کہیں آ گے تھا اور یہ سب کچھ مسلمانوں کی کامیاب عملی جدوجہد کا نتیجہ تھا ۔

حوالہ جات

۱ ۔ برق ، غلام جیلانی ، یورپ پر مسلمانوں کے احسان ۔ اشاعت اول ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاھور ۔ ص ۷۵ ۔ ۸۰

۲ ۔ ڈوزی ، رائن ھارٹ Spanish Islam ، کریم سنز کراچی ، ۱۹۷۶ء ، ص ۲۳۳ ۔

۳ ۔ سلیمانی ، احسان الحق ، مسلمان یورپ میں ، مقبول اکیڈمی ، لاھور ، ۱۹۷۰ء ، ص ۳۵۰

۴ ۔ سکاٹ ، ایس پی ۔ اخبار الاندلس ، جلد سوئم ، نصیر کاٹیج لاھور ، ۱۱۴۰ ھ ، ص ۶۳۵ ۔ ۶۳۶ ۔

۵ ۔ ندوی ، رشید اختر ۔ مسلمان اندلس میں ، سنگ میل پبلیکیشنز لاھور ۱۹۸۸ء ، ص ۲۹۴ ۔ ۲۹۵

۶ ۔ ثروت صولت اسلامیہ کی مختصر تاریخ ، اسلامک پبلیکیشنز ، لاھور ، ۱۹۷۹ء ، ص ۳۲۹
سلیمانی ، احسان الحق ۔ مسلمان یورپ میں ، مقبول اکیڈمی ، لاھور ، ۱۹۷۰ء ، ص ۲۵۱ ۔ ۲۵۲ ۔

۷ ۔ ندوی ، رشید اختر ، مسلمان اندلس میں ، ص ۶۹۵ ، ۶۹۶

۸ ۔ لین پول ، مسلمان اندلس میں ، ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی ، ص ۱۹۷
مزید دیکھئے :

ثروت صولت ، ملت اسلامیه کی مختصر تاریخ ، ص ۳۲۹ ، مزید دیکھئے سلیمانی ، احسان الحق ، مسلمان یورپ میں ، ص ۴۵۶ ـ

۹ ـ ندوی ، رشید اختر ، مسلمان اندلس میں ، ص ۷۰۰

۱۰ ـ ثروت صولت ، ملت اسلامیه کی مختصر تاریخ ، ص ۳۲۹
ندوی ، رشید اختر ـ مسلمان اندلس میں ص ۶۹۷

۱۱ ـ سلیمانی ، احسان الحق : مسلمان یورپ میں ص ۴۵۰

۱۲ ـ ابن خطیب ، لسان الدین ، تاریخ غرناطه ، نفیس اکیڈمی ، کراچی ، ۱۹۶۳ء ص ۵۰

۱۳ ـ سلیمانی ، احسان الحق : مسلمان یورپ میں ص ۴۵۵

۱۴ ـ لین پول ، مسلمان اندلس میں ص ۱۹۵

۱۵ ـ ندوی ، رشید اختر ، مسلمان اندلس میں ص ۶۹۹ .

۱۶ ـ موسیو، سید و فرانسیسی ، تاریخ عرب ، ترجمه عبدالغفور خان ـ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۶ ء ، ص ۳۳۲

۱۷ ـ ندوی ، رشید اختر ، مسلمان اندلس میں ص ۷۰۶

۱۸ ـ سلیمانی ، احسان الحق ، مسلمان یورپ میں ، ص ۴۵۰
ثروت صولت ، ملت اسلامیه کی مختصر تاریخ ، جلد اول ، ص ۳۲۸ ، ۳۲۹

۱۹ ـ لین پول ، مسلمان سپین میں ، ص ۱۹۵

۲۰ ـ ندوی رشید اختر ، مسلمان اندلس میں ، ص ۶۹۹

۲۱ ـ برق غلام جیلانی ، یورپ پر اسلام کے احسان ، ص ـ ۱۲۷

۲۲ ـ ندوی ، رشید اختر ، مسلمان اندلس میں ، ص ۶۹۹

۲۳ ـ برق ، غلام جیلانی ، یورپ پر اسلام کے احسان ، ص ـ ۱۷۳

۲۴ ـ سلیمانی ، احسان الحق ، مسلمان یورپ میں ، ص ۴۵۳

۲۵ ـ ابن خطیب ، لسان الدین ، تاریخ غرناطه ، نفیس اکیڈمی ، کراچی ، ۱۹۶۳ء ص ۳۸ ـ ۳۹

۲۶ ـ موسیوسیدو ، فرانسیسی ، تاریخ عرب ، ص ۳۲۴
ندوی رشید اختر ، مسلمان اندلس میں ، ص ۶۸۶ ، ۶۹۵

۲۷ ـ امام الدین ، ایس ایم ـ مسلم سپین ، ص ۷۸
موسیو ، سید و ، فرانسیسی ـ تاریخ عرب) ص ۳۲۴

۲۸ ـ ندوی رشید اختر : مسلمان اندلس میں ص ۶۸۵ ـ ۶۸۶

۲۹ ـ ندوی ، رشید اختر ، مسلمان اندلس میں ص ۶۸۷ ـ ۶۹۰

۳۰ ـ ثروت صولت ، ملت اسلامیه کی مختصر تاریخ ، جلد اول ص ۳۲۹

۳۱ ـ ایضاً

۳۲ ـ ایضاً

۳۳ ـ ایضاً

۳۴ ـ ایضاً

۳۵ـ موسیو ، سیدو ، فرانسیسی ، تاریخ عرب ، ص ۳۲۴
ندوی ، رشید اختر ، مسلمان اندلس میں ص ۲۸۸

۳۶ ـ ایضاً

۳۷ ـ امام الدین ، ایس ایم ، مسلم سپین ، ص ۸٦ ـ ۸۷

۳۸ ـ ثروت صولت : ملت اسلامیه کی مختصر تاریخ ، ص ۳۲۹

ثروت صولت ـ ملت اسلامیه کی مختصر تاریخ ، ص ۳۲۸ ـ

۳۹ ـ محمد یوسف ڈاکٹر ـ اندلس تاریخ و ادب ـ مدینه پبلیشنگ کمپنی کراچی ۹ ـ ص ۹۷

۴۰ ـ بلگرامی ، سید علی ، تمدن عرب ص ۳۰۵

۴۱ ـ ملخص از تاریخ ابن خلدون جلد پنجم ص ۳۱٦ تا ۳۲۰

۴۲ ـ تاریخ ابن خلدون ، جلد پنجم ص ۳۲۴ ـ ۳۲٦

۴۳ ـ لین پول : مسلمان اندلس میں ، ص ۱۷۳

۴۴ ـ ایضاً

۴۵ ـ ثروت صولت : ملت اسلامیه کی مختصر تاریخ ، اول ، ص ۳۲۵ .

۳٦ ـ ایضاً

۴۷ ـ ملخص از تاریخ ابن خلدون : ص ۳۳۱ تا ۳۳۸

ثروت صولت : ملت اسلامیه کی مختصر تاریخ ص ۳۷٦

۴۸ ـ امام الدین ، ایس ایم : مسلم سپین ، ص ۲۰۱

۴۹ ـ ایضاً ص ۲۲٦

★★★